ISSN - 2582-4619 - VOL 63 - ISSUE 07
10 FEBRUARY 2026
TAMEER–E–HAYAT

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

روزہ کا اصل مقصد

”روزہ میں جب وہ چیزیں بھی ممنوع ہوجاتی ہیں جوروزہ کے علاوہ ہمیشہ سے حلال وطیب ہیں،اورروزہ کے بعد ہمیشہ حلال وطیب رہیں گی‘ تووہ چیزیں کیسے ممنوع نہ ہوں گی جوروزہ سے پہلے بھی حرام اور ممنوع تھیں اورروزہ کے بعد بھی حرام اور ممنوع ہوں گی،یعنی غیبت،لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ،بے حیائی،جھوٹ!روزہ کی روح یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب اور نفرت پیدا ہو، اورروزہ کے درمیان میں ان سے مکمل اجتناب ہو،اگر صرف نہ کھانے پینے سے روزہ رہا اور تقوی نہ پیدا ہوا تو ایک بے روح روزہ ہے،جو صرف ڈھانچہ ہے،اس میں روح نہیں۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(رمضان المبارک اور اس کے تقاضے)

۱۰ر فروری ۲۰۲۶ء

فی شمارہ ₹25/-

سالانہ زرتعاون ₹500

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۳ — ۱۰؍فروری ۲۰۲۶ء مطابق ۲۱؍شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ — شمارہ نمبر ۷

اس شمارے میں

شعر و ادب	اقبال عظیمؒ، محسن کاکورویؒ	۴
"وان تصوموا خیر لکم..."	محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی	۵
سورہ بقرہ کی فضیلت اور حروفِ مقطعات	حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۷
روزہ کی حقیقت اور اس کی فضیلت	عبدالرشید راجستھانی ندوی	۹
رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ	مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ	۱۰
اسلامی فکر- فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ	محمد ناصر ندوی پرتاپگڑھی	۱۲
رمضان المبارک- احتساب کا مہینہ	مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی	۱۴
عورت کی گواہی آدھی کیوں؟	منور سلطان ندوی	۱۶
عصر جدید کا بیدار ضمیر	ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی	۱۹
بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار	محمد اعظم شرقی ندوی	۲۲
صالح معاشرہ کے تشکیلی عناصر	محمد سعد ندوی	۲۴
عقیدہ کو کمزور کرنے والے عوامل	محمد فہیم عبدالخالق ندوی	۲۵
ماہِ مبارک: تزکیہ نفس کا ہمہ گیر نظام	محمد جاوید اختر ندوی	۲۷
تعارف و تبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۸
رمضان المبارک- ایک روحانی تحفہ	محمد نفیس خان ندوی	۳۰
سوال و جواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۱

سرپرست

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی
محمد نفیس خان ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 – Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagre Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Call : 9559844716
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/500	فی شمارہ -/25	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے	$100

ڈرافٹ غیر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر -/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

نعت کہنے کو خونِ جگر چاہیے

(پروفیسر) اقبال عظیمؒ
(۸ر جولائی ۱۹۱۳ء - ۲۲/ستمبر ۲۰۰۰ء)

سوزِ دل چاہیے، چشمِ نم چاہیے اور شوقِ طلب معتبر چاہیے
ہوں میسر مدینے کی گلیاں اگر، آنکھ کافی نہیں ہے نظر چاہیے

ان کی محفل کے آداب کچھ اور ہیں، لب کشائی کی جرأت مناسب نہیں
ان کی سرکار میں التجا کے لئے، جنبشِ لب نہیں، چشمِ تر چاہیے

اپنی رودادِ غم میں سناؤں کسے، میرے دکھ کو کوئی اور سمجھے گا کیا؟
جس کی خاکِ قدم بھی ہے خاکِ شفا، میرے زخموں کو وہ چارہ گر چاہیے

رونقیں زندگی کی بہت دیکھ لیں، اب میں آنکھوں کو اپنی کروں گا بھی کیا
اب نہ کچھ دیدنی ہے، نہ کچھ گفتنی، مجھ کو آقا کی بس اِک نظر چاہیے

میں گدائے درِ شاہِ کونین ہوں، شیش محلوں کی مجھ کو تمنّا نہیں
ہو میسر زمیں پہ کہ زیرِ زمیں، مجھ کو طیبہ میں اِک اپنا گھر چاہیے

ان نئے راستوں کی نئی روشنی، ہم کو راس آئی ہے اور نہ راس آئے گی
ہم کو کھوئی ہوئی روشنی چاہیے، ہم کو آئین خیر البشر چاہیے

گوشہ گوشہ مدینے کا پرنور ہے، سارا ماحول جلووں سے معمور ہے
شرط یہ ہے کہ ظرفِ نظر چاہیے، دیکھنے کو کوئی دیدہ ور چاہیے

مدحتِ شاہِ کون و مکاں کے لیے صرف لفظ وبیاں کا سہارا نہ لو
فن شعری ہے اقبال اپنی جگہ، نعت کہنے کو خونِ جگر چاہیے

زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے

سید محمد محسن کاکورویؒ
(۱۸۲۷ء - ۲۴/اپریل ۱۹۰۵ء)

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے
کہ لامکاں بھی اٹھا سرو قد مکاں کے لئے

ترے زمانے کے باعث زمیں کی رونق ہے
ملا زمین کو رتبہ ترے زماں کے لئے

کمال اپنا دیا تیرے بدرِ عارض کو
کلام اپنا اتارا تری زباں کے لئے

نبی ہے نار ترے دشمنوں کے جلنے کو
بہشت وقف ترے عیش جاوداں کے لئے

تھی خوش نصیبیٔ عرش بریں شب معراج
کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کے لئے

نہ دی کبھی ترے عارض کو مہر سے تشبیہ
رہا یہ داغ قیامت تک آسماں کے لئے

عجب نہیں جو کہے تیرے فرش کو کوئی عرش
کہ لا مکاں کا شرف ہے ترے مکاں کے لیے

خدا کے سامنے محسنؔ پڑھوں گا وصف نبی
سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لیے

اداریہ

”وان تصوموا خیر لکم...“

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

رمضان کا مبارک مہینہ، ایمان والوں کی قسمت میں ایک بار پھر اپنی نعمتوں کے ساتھ آ گیا۔ گنتی کے یہ کچھ دن ہیں؛ لیکن اپنی ماہیت اور صفات میں ایسی عظمت رکھتے ہیں کہ یہ انسانوں کی زندگی کا حصہ گو یا روزِ اول سے بنا دیے گئے۔ مسلمانوں کو یہ تحفہ ملا تو اسی کی وضاحت کے ساتھ کہ یہ وہ فریضہ ہے جو ماقبل کے ہر انسانی دور میں پابندِ عمل رہا۔ فرائض تو اور بھی ہیں، ان پر عمل بھی آخری پیغمبر علیہ السلام کی شریعت سے پہلے ہوتا رہا، مگر یہ امتیاز جو 'صیام' کو حاصل ہوا کہ بطورِ فرض، زمانۂ گذشتہ میں اسی عمل کا ذکر قرآن مجید نے کیا۔

'صوم' کی معنویت بھی عجیب ہے؛ ''رک جا! چلنے پھرنے سے، بولنے چالنے سے، کھانے پینے سے۔ معنی کی یہ عمومیت اس لفظِ 'صوم' کے مفہوم کی وسعت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے!!۔ سورج کا اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ جانا، ہواؤں کا ساکت ہو جانا، پانی کا ٹھہر جانا...... کیسے کیسے مفہوم اسی لفظِ 'صوم' و 'صیام' سے نکلتے ہوئے، اور یہی نہیں، مضبوطی اور ثابت قدمی، اور تحمل و برداشت کے معنی مطلب بھی اسی میں شامل۔ اگر صرف صیام کے معانی ذہن و قلب میں سما جائیں تو یہی 'أیامِ معدودات' کی غیر محدود برکتوں کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

رمضان کا مہینہ، ان الگ دنوں کے لیے خاص ہوا؛ لیکن عطائے الٰہی نے اس مہینہ کی مزید سرفرازی کے لیے قرآن مجید جیسی نعمت کو انسانوں کی ہر کامیابی کے نسخہ کے طور پیش کرنے کے لیے ان ہی ایامِ معدودات والے ماہِ صیام کا انتخاب کیا، اور عجب شان سے اعلان کیا گیا کہ: رمضان کا مہینہ تو وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، اور اسی مہینہ کی ایک رات کو 'لیلۃ القدر' کا خطاب ملا، کہ اسی رات کی آغوش میں قرآن کا وہ نور ڈالا گیا جس سے عقیدہ و عمل کی ہر تاریکی دور ہوتی رہے گی۔ قرآن مجید کے نزول نے ایک رات کا درجہ ہزار مہینوں کے برابر کر دیا۔ 'أیامِ معدودات' کی ایک رات بھی کیسی رات نکلی کہ فرشتوں اور روح القدس کا کارواں، رحمتِ خاص کے تحفہ کے ساتھ انسانوں کی دنیا میں طلوعِ فجر تک سرگرم سفر رہا۔ فرشتوں کی اس آمد و رفت کی تجلیات کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ روزہ داروں کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ رات' تنہا وہ رات ہوتی ہے جو سلام اور خیر کی رات، خیرات ہو جاتی ہے۔ سلام ہی سلام اور خیر ہی خیر۔ لفظوں اور ان کے معانی کے رازوں سے واقف ہونے والے بتاتے ہیں کہ سلام کا مطلب ہے: ظاہری و باطنی' ہر قسم کے خوف سے نجات پانا۔ یعنی قرآن کا قانون ہی 'سلام و خیر' ہے، جو بندوں کو ہر خوف سے نجات دلانے والا ہے۔

روزہ کے تعلق سے ایک اور بات خاص طور پر اپنی جانب متوجہ کرتی ہے، اور وہ ہے خیر کی بات۔ ایک طرف تو روزہ کی فرضیت کا حکم ہے، دوسری جانب بڑے شفقت آمیز اور خیرخواہانہ انداز میں یہ پیار بھری فرمائش بھی ہے کہ: ’’أن تصوموا خیر لکم‘‘ (روزہ رکھو کہ اسی میں بھلائی، بہتری، نیکی، عزت، سربلندی اور کامیابی ہے)۔ لفظِ ’خیر‘ کی وسعتوں کا کیا کہنا!! اور جب یہ وسعتیں سامنے ہوں تو یہ جملہ داد طلب بن جاتا ہے کہ ’روزہ رکھو تو اسی میں خیر ہے‘۔ روزہ والی آیت میں ’خیر‘ کا لفظ تین بار آیا۔ یہ اشارہ ہے، اور واضح اشارہ ہے کہ روزوں کا یہ محدود زمانہ خیر ہی خیر ہے۔ ظاہر و باطن کو پاکیزہ و معطر بنائے رکھنے والے دنوں کو اسی نیکیوں کے موسمِ بہار سے تعبیر کیا گیا، اور خوب کیا گیا۔ اس لیے ہر ایمان والے پر سب کچھ جاننے سمجھنے کے بعد بھی اس جملہ کا اعادہ یوں ہی نہیں کہ ’فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ‘۔ تو تم میں سے جو اس مہینہ کو پائے‘ لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

☆☆☆

رمضان المبارک۔ نیکیوں کا موسم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

’’ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے، گرمی کا موسم، سردی کا موسم، بارش کا موسم، ایسے ہی رمضان کا موسم بھی ہوتا ہے، اس موسم کا تقاضا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں اور عبادات وطاعات میں اور اضافہ کیا جائے۔ اس موسم سے سبھی متاثر ہوتے ہیں، لیکن انہیں اس کا دھیان نہیں رہ پاتا کہ وہ یہ عمل کیوں اور کس کے لیے کر رہے ہیں؟ بہت سے لوگ تو نیت ہی نہیں کرتے کہ وہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں؟ اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں، صرف اللہ کی رضا چاہتے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، روزہ رکھنے پر لوگ تعریف کریں گے، اور نہ رکھنے پر لوگ برائی کریں گے، اور تنقید کریں گے؛ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

تو ضروری چیز اس میں یہ ہے کہ نیت کا استحضار رہے، آدمی اپنے کو ٹٹولے، محاسبہ کرے، ادھر ذہن ہی نہیں جاتا، دھیان ہی نہیں جاتا کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں؟ کھانا پینا کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ جب کہ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے۔ روزے کے سلسلے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں اور جو بشارتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں جو وعدے مذکور ہیں، ایک تو یہی ہے جو اسی آیت کے آخر میں فرمایا: {لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ} باقی معیشت میں برکت حاصل ہوتی ہے، قلب منور ہوتا ہے، گناہوں سے بچنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ اس کا کتنا اہتمام فرماتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے کہ ہم کھا پی سکتے ہیں، مگر محض اللہ کی خوشنودی کے لیے یہ سب چھوڑ رہے ہیں، ایک ایک لمحہ کا ہم کو ثواب ملتا ہے، ہمارا بھوکا رہنا اللہ کو پیارا لگتا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے کہ اس بندے نے ہمارے حکم کی تعمیل اور محض ہماری خوشی کے لیے تمام لذتیں ترک کردی ہیں، اور محض میری خوشی کے لیے وہ بھوکا پیاسا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ اکثروں کا ادھر خیال جاتا ہی نہیں ہے کہ یہ جو روزہ رکھا ہے، اس کی کیا عظمت ہے؟ اللہ کا اس پر کیا انعام ہے؟ اللہ کو اس پر کتنا پیار آتا ہے؟ ادھر ذہن جاتا ہی نہیں ہے۔ اس میں نیت کو حاضر کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ ہر چیز تو اپنے وقت پر ہوتی رہتی ہے اور اپنے موقع پر انجام پاتی ہے، سب شریک ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آدمی کے ذہن میں اس کا اصل مقصد اور نیت بھی ہو، ایک ہوا چلتی ہے، ایک موسم ہوتا ہے جو اپنا اثر چھوڑتا ہے، سب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔‘‘

(رمضان المبارک اور اس کے تقاضے)

تعلیم القرآن

سورۂ بقرہ کی فضیلت اور حروفِ مقطعات

حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)

سورۂ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورہ ہے اور اس میں احکام قرآنی کی بہت سی وہ بنیادیں بھی موجود ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ہوا ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی، معاملات بھی ہیں اور بہت ساری وہ چیزیں بھی جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے، احادیث میں اس سورۂ شریفہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔" (مسلم ۱۸۶۰) (اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے)۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے: "مَنْ قَرَأَهَا فِي بَيْتِهِ لَيْلًا لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهُ الشَّيْطَانُ ثَلَاثَ لَيَالٍ۔" (شعب الإيمان للبيهقي: ۲۳۷۸)۔

(جو شخص سورۂ بقرہ کو رات کے وقت اپنے گھر میں پڑھے تو شیطان تین راتوں تک اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا)۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں اس سورۂ شریفہ کی فضیلت منقول ہے۔ اس سورہ کا آغاز {الٓمّٓ} سے ہوا ہے، قرآن مجید میں اس کے علاوہ بھی کئی سورتوں کے شروع میں ایسے حروف آئے ہیں، ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔

حروف مقطعات ان حروف کو کہتے ہیں جو الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، یہ حروف قرآن کی بہت سی سورتوں کے آغاز میں نازل ہوئے ہیں، ان حروف میں سے بعض ایک حرفی ہیں جیسے {صٓ} اور {قٓ} اور بعض دو حرفی ہیں جیسے {حٰمٓ} اور {یٰسٓ} اور بعض تین حرفی ہیں جیسے {الٓمّٓ} اور {الٓرٰ} اور بعض چار حرفی ہیں جیسے {الٓمّٓصٓ} اور {الٓمّٓرٰ} اور ایک جگہ پانچ حرفی بھی ہے: {کٓھٰیٰعٓصٓ}۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حروف کے سلسلے میں متعین طور پر کوئی بات بیان نہیں کی جاسکتی، البتہ اس سلسلے میں علماء ومفسرین کی بہت سی آراء ہیں اور ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کو ذہن قبول کرتا ہے، انھی میں سے ایک رائے یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حروف مقطعات کو تحدی وچیلنج کے طور پر نازل کیا ہے، گویا منکرین سے یہ کہا جارہا ہے کہ یہ وہی حروف ہیں جو تم اپنی زبان میں استعمال کرتے ہو، ظاہر ہے اس میں سب سے پہلا خطاب عربوں کو ہے جو زبان کے ماہر تھے اور انھیں اپنی زبان پر سب سے بڑھ کر ناز تھا، اس لیے یہ چیلنج بھی سب سے بڑھ کر انھی سے ہے اور ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ یہ حروف وہی ہیں جن کو تم استعمال کرتے ہو اور قرآن میں جن باتوں کا ذکر ہے وہ بھی انھی حروف کے ذریعہ کہی گئی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے الگ سے کوئی حروف متعین فرمائے ہوں جو تم نہ جانتے ہو، اس کے باوجود جب تم سے یہ کہا جارہا ہے کہ اس جیسی کتاب بنا کر لے آؤ، یا دس سورتیں لے آؤ، یا کم از کم ایک سورہ ہی بنا کر لے آؤ تو تم عاجز ہو اور بنانے کے لیے تیار نہیں ہو اور نہ ہی یہ تمہارے بس میں ہے۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ اس دور میں سب سے بڑے دشمن وہی تھے اور سب سے زیادہ عربی زبان کے جاننے والے بھی وہی تھے، اگر قرآن مجید بنا کر کوئی لاسکتا تھا تو شاید وہی لاسکتے تھے لیکن انھوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا اور دشمن ہونے کے باوجود یہ اعتراف کیا کہ یہ کام ہمارے بس سے باہر ہے۔ اب اگر ان کے بعد کوئی دعویٰ کرتا ہے تو وہ ہزار بار دعویٰ کرے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ وہ مسیلمہ کذاب کی طرح "الفيل وما أدراك ما الفيل له خرطوم طويل" جیسی لغو سورتیں بنا سکے گا، ایک دور تھا کہ اس میں بعض لوگوں نے اس کے متوازی کلام بنانے کی ناکام کوششیں کیں لیکن ظاہر ہے کہ کہاں خدا کا پاکیزہ ومقدس کلام اور کہاں جاہلوں کی تک بندیاں؟!

حقیقت میں حروف مقطعات قرآن کے نہ ماننے والوں کے لیے ایک چیلنج ہیں کہ یہ وہی حروف ہیں جو تم استعمال کرتے ہو لیکن اس جیسا کلام بنا کر لانا تمہارے بس سے باہر ہے، گویا یہ قرآن مجید کا ایک اعجاز اور اس کا اظہار ہے۔ حروف مقطعات کے سلسلے میں یہ رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اگر دیکھا جائے تو قرآن مجید میں جن سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، ان کے معاً بعد زیادہ تر قرآن مجید کی حقانیت، اس کی صداقت اور اس کے محکم ہونے کا تذکرہ ہے، جس کی بنا پر اس رائے کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے کہ یہ حروف تحدی کے لیے نازل ہوئے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ یہ حروف قرآن میں کسی ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف سورتوں میں نازل ہوئے

ہیں، اس دنیا کے اندر جس طرح قرآن مجید ایک وقت میں پورا نازل نہیں ہوا بلکہ ضرورت کے اعتبار سے آہستہ آہستہ اتارا گیا، اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جیسی ضرورت پیش آتی تھی' ویسے ہی احکامات دیئے جاتے تھے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ جو احکامات بھی دیئے جارہے ہیں، جن کے متعلق آیتیں نازل ہورہی ہیں، پہلے وہ ہضم ہوجائیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو اچھی طرح سمجھ لیں، ایسا نہ ہو کہ ایک ساتھ تمام آیتیں اور احکامات نازل کردیئے جائیں پھر غور وفکر کرنے، اس کو قبول کرنے اور اخذ کرنے میں دشواری ہو۔

ٹھیک اسی طرح یہ حروف مقطعات بھی ایک ہی جگہ پر نہیں اتارے گئے بلکہ مختلف سورتوں کا آغاز ان کے ذریعہ سے ہوا ہے، بہ ظاہر اس میں ایک ہلکا سا اشارہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں منکرین کے لیے چیلنج ہے اور ان کے ذریعہ مؤمنین کو توجہ دلانا مقصود ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ کسی اہم بات کو شروع کرنے سے پہلے کچھ حروف ادا کرتے تھے اور بہت سے علاقوں اور بہت سے اصناف کلام میں آج بھی اس کا رواج ہے کہ وہ ابتداء کلام میں کچھ غیر مفہوم الفاظ زبان سے ادا کرتے ہیں اور اس کا مقصد لوگوں کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تاکہ جب اصل بات شروع ہو تو وہاں سوچنے کا موقع نہ رہے اور اس سے پہلے ہی سننے والا اپنی سوچ کو مرتکز کردے یعنی آدمی پوری توجہ کے ساتھ بات کو سننے کے لیے تیار ہوجائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر قرآن مجید میں بھی اس طرح کے حروف کا استعمال کیا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ حروف مقطعات کا کسی درجہ میں یہ مقصد ہو جو بیان کیا گیا لیکن ہم یقینی طور پر اس کو متعین نہیں کرسکتے، ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ حروف اس کا ایک حصہ ہیں، یہ اللہ کی طرف سے اتارے ہوئے الفاظ ہیں اور ہمارے لیے ان پر ایمان لانا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی حقیقت تک پہنچا آسان کام نہیں ہے، گرچہ لوگوں نے اس کا مفہوم سمجھنے کی بہت کوششیں کی ہیں لیکن یہ وہ الفاظ ہیں جن کے متعلق کوئی متعین بات نہیں کہی جاسکتی، حقیقت میں یہ حروف متشابہات میں سے ہیں اور ان کی حقیقت اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے، ممکن ہے کہ ان حروف میں علوم کی بہت سی گہرائیاں ہو، غیر معمولی حقائق اور تہیں ہوں جہاں تک رسائی ہر ایک کے بس میں نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ حروف ہمارے ایمان کا بھی امتحان ہیں، قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کو ماننا ہمارے لیے ہر حال میں ضروری ہے، چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر سمجھ میں آجائے تو اللہ کا فضل ہے اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ہے اور ہماری سمجھ اس کے مقابلے میں بہت محدود ہے، قرآن مجید میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حقیقت بیان کردی ہے کہ {وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ} (یوسف: ۷۶) (اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک عالم ہے)۔

ایک دوسری جگہ یہ بھی ارشاد ہے: {وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً} (الإسراء: ۸۵) (اور تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے)۔

اگر کوئی اپنے آپ کو بہت بڑا علم والا سمجھتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ دنیا بہت وسیع ہے اور اس میں اس سے بھی بڑے علم والے موجود ہیں، سچی بات یہ ہے کہ انسان کو اپنے علم پر کتنا ہی ناز ہو لیکن ایک حد ایسی ضرور آتی ہے جہاں پہنچ کر انسان کا علم ختم ہوجاتا ہے اور اس کے آگے کی حدود تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم اس حقیقت کو مانو، گویا ان حروف سے بھی اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم ہر چیز کو نہیں سمجھ سکتے، تم اپنی جگہ پر جو دعویٰ کرو وہ الگ بات ہے لیکن اللہ نے ان حروف کو اتارا ہے، اس میں تمہارے ایمان کا بھی امتحان ہے اور تمہیں ماننا ہے۔

حاصل یہ کہ یہ حروف ایمانیات کے باب میں بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ایمان کے سلسلے میں ہمیں اپیل کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ کی ہر بات پر یقین کرنا ہے، اس لیے پہلے مرحلے میں زبان حال اور زبان قال سے ہمارا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ: {سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ} (البقرة: ۲۸۵) (ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔)

یہ آیت اسی سورۂ شریفہ کی آخری آیتوں میں سے ہے، اس سے پہلے کی آیت میں ہے:

{لِلّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَإِن تُبْدُواْ مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ} (البقرة: ۲۸۴).

(اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اور تمہارے جی میں جو بھی ہے وہ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جس کو چاہے گا معاف کرے گا اور جس کو چاہے گا مبتلائے عذاب کرے گا اور اللہ ہر چیز پر زبردست قدرت رکھنے والا ہے۔)

(باقی صفحہ ۱۱ر پر)

تعلیم الحدیث

روزہ کی حقیقت اور اس کی فضیلت

عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: قَالَ اللهُ: "كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ. لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ". صحيح البخاري (١٩٠٤)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آدم کے بیٹے کا ہر عمل اسی کے لیے ہے، مگر روزہ، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ ڈھال ہے، اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ نہ فحش بات کرے اور نہ شور مچائے، پھر اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑنے لگے تو وہ کہہ دے: میں روزہ دار آدمی ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے: جب وہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے خوش ہوگا۔

تشریح: اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: "كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ" یہ جملہ اس پوری حدیث کی بنیاد اور روح ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک غیر معمولی عبادت ہے، جسے اس نے خاص اپنی طرف منسوب فرمایا۔ دیگر عبادات میں بندے کا کوئی نہ کوئی ظاہری عمل نمایاں ہوتا ہے، جسے لوگ دیکھ بھی سکتے ہیں، مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی حقیقت کا تعلق بندے کے باطن سے ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت میں، خواہش کے پورا کرنے پر قدرت کے باوجود، بندہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں رک جاتا ہے۔ یہی وہ اخلاص اور باطنی نگرانی ہے جس کی بنا پر روزہ اللہ کے لیے خاص قرار دیا گیا، نیز اس پر اللہ رب العزت نے خصوصی اور بے حساب و بے شمار اجر و انعام عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس ضمن میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روزے کا اجر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے، یہاں تک کہ اگر بندے کے دوسرے اعمال لوگوں کے حقوق کی نذر ہو جائیں تب بھی روزے کا اجر اللہ کے ہاں باقی رہتا ہے۔

قرآن مجید نے روزے کا مقصد صاف الفاظ میں بیان کر دیا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ یعنی روزے کا حاصل تقویٰ ہے۔

تقویٰ یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی ناراضی سے بچے اور اس کی رضا کو مقدم رکھے۔ صوم اسی کیفیت کو پیدا کرتا ہے، کیونکہ روزہ دار جانتا ہے کہ اس حال میں کوئی انسان اسے نہیں دیکھ رہا، مگر اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی احساس ایمان کی پختگی کی علامت ہے، اور یہی صوم کی اصل حقیقت ہے۔ اگر یہ ایمانی جذبہ روزہ سے نکل جائے تو پھر اس کی روح ختم ہو جاتی ہے، اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی امید کے ساتھ روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

حدیث میں صوم کو جُنَّةٌ یعنی ڈھال فرمایا گیا ہے۔ یعنی دوزخ کے عذاب سے بچانے، گناہوں سے محفوظ رکھنے اور شیطان کے حملوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ روزہ انسان کو خواہشات پر قابو پانے، صبر اختیار کرنے اور اپنے نفس کو شریعت کے تابع رکھنے کی عملی تربیت دیتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ روزے کے دن زبان اور اخلاق کی حفاظت ضروری ہے۔ فحش کلامی، شور و شغب اور لڑائی جھگڑا صوم کی روح کے خلاف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص غلط بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔"

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

فائدہ: حدیث مجموعی طور پر اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ صوم محض ایک ظاہری عمل نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ، اخلاص اور اخلاق کی جامع عبادت ہے۔ جو بندہ اس حقیقت کو سمجھ کر روزہ رکھتا ہے، وہی اس وعدۂ الٰہی کا مستحق بنتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

☆☆☆

قندمکرر

رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

عربی زبان میں روزہ کے لیے ”صوم“ کا لفظ ہے، عربی میں یہ لفظ خاص طور پر گھوڑوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، دراصل جن گھوڑوں کو دوڑ کے لیے خریدا جاتا تھا، ان کا چارہ کم کردیا جاتا تھا، اوران کو دوڑ کے لیے تیار کرنے کی یہ ترتیب ہوتی تھی کہ پہلے ان گھوڑوں کو کسی جگہ بند کر کے رکھا جاتا تھا اوران کی غذا کم کردی جاتی تھی، پھر کم کرتے کرتے بہت کم کردی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ گھوڑے دبلے ہوجاتے تھے، اور پھر آہستہ آہستہ ان کی غذا بڑھائی جاتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ میدان میں دوڑنے کے لائق ہوجاتے تھے، عربی میں اسی قسم کے گھوڑوں کو ”الفرس الصائمة“ کہتے ہیں یعنی روزے دار گھوڑے، یہ روزے دار گھوڑے دوڑ کے میدان میں غیر روزے دار گھوڑوں سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو روزے رکھنے کا جو حکم دیا ہے، وہ اس لیے ہے کہ ہم اپنے اوپر کچھ دن کنٹرول کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کھانے والوں سے آگے بڑھ جائیں گے، جو ہر وقت کھا رہے ہیں اور ہر وقت راحت وآرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر ہم ان سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو ہم کو روزہ رکھنا ہوگا، روزہ رکھنے سے ہم دوڑنے والے بن جائیں گے یعنی اچھے اعمال کرنے کی ہمارے اندر صلاحیت پیدا ہوجائے گی، اور ہم اچھے اعمال کرنے کے لیے اپنے اندر ایک آمادگی پانے لگیں گے، اور اچھے اعمال میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والے بن جائیں گے، اور اگر ہم نے روزہ نہ رکھا تو ہمارے اندر سستی، کاہلی، اور اچھے اعمال سے بے رغبتی اور ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں گھبراہٹ پیدا ہوجائے گی جو اچھے اعمال کر رہے ہیں۔

امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وانعام ہے کہ اس نے رمضان کا مبارک مہینہ عطا فرمایا، اور اس میں روزوں کو فرض کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو یہ مہینہ اپنی نعمت ورحمت اور تحفہ کے طور پر عطا فرمایا ہے، ارشاد الٰہی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (البقرة: ۱۸۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بنو)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ روزہ تقویٰ کا ذریعہ ہے، یعنی باطن کو بنانے اور دل کو صحیح کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تقوی کا تعلق اندر سے رکھا ہے، اگر ہم اپنے اندرون کو ٹھیک کرلیں تو ہم تقوی والے ہوجائیں گے، لیکن ہم لوگوں نے جہاں بہت سے الفاظ کے غلط معنی سمجھ رکھے ہیں، یا غلط معنی لے لیے ہیں، ان ہی میں سے ایک لفظ تقوی بھی ہے، ہم تقوی کا مطلب سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا متقی ہے، اس لیے کہ وہ نماز زیادہ پڑھتا ہے، ذکر زیادہ کرتا ہے، جب کہ حقیقی معنی میں ایسا شخص متقی نہیں ہے، اصلاً متقی وہ شخص ہے جو عقائد کی اصلاح کے ساتھ شرعی احکام کا پابند ہو اور اس کا باطن مزکی ہو اور دل منور ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مہینہ کے روزہ کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ یہ روزے گذشتہ قوموں پر بھی فرض کیے گئے تھے، تاکہ کسی کو یہ روزے بوجھ نہ محسوس ہوں، اسی لیے روزہ کی فرضیت کے بعد یہ بھی کہا گیا کہ یہ چند گنے چنے دن ہیں، جن میں روزہ فرض ہے، دراصل نفس کی سرکشی اور شیطان کی دشمنی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مہینہ کے روزے بھی ناکافی ہیں، اگر آپ نفس کی سرکشی کا مطالعہ کریں، اور شیطان کی دشمنی کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا ان کے مقابلے اور ان سے بچنے کے لیے اتنے دن کے روزے کم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ روزے جو ہم نے تم کو دیے ہیں یہ گنے چنے ہیں، لیکن اس کا فائدہ اتنا بڑا ہے کہ نفس بھی قابو میں آجاتا ہے، اور شیطان بھی مات کھاجاتا ہے۔

رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کو لے کر آتا ہے، رمضان آتے ہی اوپر سے رحمتیں نازل ہونا شروع ہوجاتی ہیں، لیکن جیسے بارش ہوتی ہے تو بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر پانی رکتا نہیں ہے، اور بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں جو جذب کرلیتی ہیں، اسی طرح رمضان کے مہینہ میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کی بارش کا مسئلہ ہے یعنی اگر ہم ہی خراب ہیں تو ہمیں رمضان میں رحمت کی بارش سے فائدہ ہی نہیں ہوگا، اور اگر ہمارے اندر جذب کی صلاحیت ہے تو اس کا غیر معمولی نفع حاصل ہوگا، لیکن اگر ہمارے دل کی زمین سخت فرش کی طرح ہے، تو اس پر محنت کی ضرورت ہے، تاکہ نرمی پیدا ہوجائے اور اس میں رحمت داخل ہوسکے، جب زمین نرم

ہوجائے گی اور رحمت الٰہی کے دخول کا راستہ ہموار ہوجائے گا، تو گویا انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا مستحق بھی ہوجائے گا، اسی لیے رمضان کے پہلے عشرہ کو رحمت بنایا اور دوسرے عشرہ کو مغفرت، اور اگر انسان نے اس عشرہ میں بھی اپنے دل کی زمین کو نرم رکھنے کی محنت جاری رکھی تو تیسرے عشرہ میں اس کو جہنم سے خلاصی ہی کا پروانہ مل جاتا ہے، اسی لیے تیسرے عشرہ کو "عتق من النار" یعنی جہنم سے آزادی کا عشرہ قرار دیا گیا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ہر سال رمضان ہماری زندگی میں آتا ہے اور رخصت ہوجاتا ہے، لیکن اس کی جو تاثیر اور فائدہ ہے، وہ ہم کو حاصل نہیں ہوتا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہم کو روزہ رکھنا چاہیے اور جیسا اس کا لحاظ ہونا چاہیے، ہم وہ نہیں رکھتے۔

روزہ باطن اور بطن دونوں کی اصلاح کرتا ہے، باطن سے روحانی نظام ٹھیک ہوتا ہے اور بطن سے جسمانی نظام ٹھیک ہوتا ہے، لیکن باطن اس وقت ٹھیک ہوگا جب ہم روزہ کے اندر معنویت پیدا کریں اور بطن اس وقت ٹھیک ہوگا جب کھانے پینے میں احتیاط رکھیں یعنی روزہ کھولنے کے بعد اتنا نہ کھالیں کہ پھر دوسرے دن تک بھوک ہی نہ لگے اور سحری میں اتنا نہ چڑھا جائیں کہ کھٹی ڈکاریں آتی رہیں، ایسے میں بطن بھی خراب ہوگا اور باطن بھی خراب ہوجائے گا، اس لیے ہر جگہ اعتدال ضروری ہے اور اس امت کو چونکہ معتدل بنایا گیا ہے، اس لیے اس کو اعمال بھی ایسے ہی دیے گیے ہیں جن کی بنیاد اعتدال اور توازن پر ہے، اور اصل چیز جو انسان کو بنا کر رکھتی ہے اور اس کو ترقی کے راستہ پر لگاتی ہے وہ اس کا توازن اور اس کے اندر اعتدال کا ہونا ہے، اگر اعتدال اور توازن پایا جائے تو ہر چیز مفید ہوتی ہے، ورنہ کوئی چیز بھی مفید نہیں رہتی۔

روزہ درحقیقت رکنے کا نام ہے، اس میں بہت سی چیزیں چھوڑنا ہیں اور ان سے رک جانا ہے، مثلاً: کھانا نہیں کھانا ہے، پانی نہیں پینا ہے اور ایسا کوئی غلط کام نہیں کرنا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن بہت سے ایسے کام بھی ہیں جن سے روزہ فتوی کے اعتبار سے نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر متقی بننا ہے تو آپ کے دل سے یہ فتوی آئے گا کہ روزہ ٹوٹ گیا، مثلاً: اگر آپ غیبت کرتے ہیں یعنی دوسروں کی برائی کرنے میں مبتلا ہیں یا بلا وجہ فضول گوئی میں مبتلا ہیں، بلا وجہ کی مجلسوں میں بیٹھے ہیں اور باتیں ہی کرتے چلے جارہے ہیں، تو ایسے میں آپ کا روزہ حقیقت میں باقی نہیں رہتا۔ آج روزہ کا جو فائدہ نہیں ہورہا ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ ہم روزہ رکھتے ضرور ہیں لیکن ایسے کام کر جاتے ہیں کہ جس سے روزہ کا فائدہ ختم ہوجاتا ہے، روزہ کا جو نفع ہے وہ مٹ جاتا ہے، لہٰذا ہم سب کو یہ طے کرنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے روزہ جاتا رہے اور اس کے فوائد ہم کو حاصل نہ ہوں۔

اگر انسان حقیقی معنی میں روزہ دار بننے کی کوشش کرے تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کا مزاج تقوی کے مطابق ڈھل جائے گا اور اس کے نتیجہ میں پہلے مرحلہ پر شرک وکفر سے، بدعات و خرافات سے اور دیگر بہت سی برائیوں سے وہ انسان بچنے والا بن جائے گا، گویا یہ روزہ کا پہلا فائدہ ہے۔

اور اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کا ہر کام صالح مقاصد اور اچھی نیت کے ساتھ انجام پائے گا، اس کی نظر رضائے الٰہی کے سوا کسی طرف نہ جائے گی، اور دراصل روزہ یہی سکھاتا بھی ہے کہ ہم اچھے کام کرنے والے بن جائیں، اسی کا نام تقوی ہے۔

رمضان کے مہینہ میں ہم یہ طے کرلیں کہ آپس میں فضول باتیں نہیں کرنی ہیں، اللہ نے ہمیں جو زبان دی ہے، اس کا غلط استعمال نہیں کرنا ہے، اس کو مبارک مہینہ میں ذکر الٰہی سے تر رکھنا ہے، اور اگر یہ معمول باقاعدہ نہیں ہوسکتا تو کم از کم لیٹے بیٹھے دھیان سے "رَبِّ اغْفِرْ لِيْ، رَبِّ اغْفِرْ لِيْ" (اے اللہ! مجھے معاف کردے، اے اللہ! مجھے معاف کردے) یہ ورد دل ہی دل میں کہنا ہے، دماغ سے سوچتے رہنا ہے، پھر آہستہ اسی میں مزا آنے لگے گا، ہمارے دماغ کا یہ ایک اچھا علاج ہے، اور دل کے برے جذبات کی اصلاح کا علاج بھی یہی ہے کہ آدمی ادھر ادھر کی باتیں نہ سوچے بلکہ جب بیٹھے تو یہی دھیان لگائے، انشاء اللہ اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔

☆☆☆

بقیہ: سورۂ بقرہ کی فضیلت

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ یہ تو بہت سخت مسئلہ ہے، بعض مرتبہ ذہن ودماغ میں کوئی بھی بات اچانک آجاتی ہے، اگر اس پر بھی مؤاخذہ ہوگا تو یہ بڑی دشواری والی بات ہے، جب صحابہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ بات عرض کی تو اس کے بعد یہ تعلیم دی گئی کہ جب اللہ کی طرف سے کوئی بات نازل ہو تو پہلے مرحلے میں ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی) کہنا ضروری ہے اور اگر کوئی غلطی ہوجائے تو پھر اس کے لیے اللہ سے مغفرت چاہو۔

اس سے پتہ یہ چلا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے ہمیں اس پر ایمان رکھنا ہے، اگر ہم اس کا مفہوم سمجھ رہے ہیں تو شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر نہیں سمجھ رہے تو یہ ہمارے ایمان کا امتحان ہے، ہمیں اس کو ماننا ہے اور ہم اسی بات کے مکلف بھی ہیں۔

☆☆☆

دین فطرت

اسلامی فکر۔فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ

محمد ناصر ندوی پرتاپگڑھی (دبئی۔متحدہ عرب امارات)

عصرِ حاضر انسانی تاریخ کا سب سے ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔سائنس نے کائنات کے اسرار کھول دیے،ٹیکنالوجی نے فاصلے سمیٹ دیے،اور انسان نے اپنی مادی قوت کا سکہ پوری دنیا پر جما دیا،مگر اسی دور میں انسان سب سے زیادہ فکری اضطراب، ذہنی بے چینی اور روحانی خلا کا شکار ہے۔سہولتوں کی فراوانی کے باوجود سکون ناپید ہے،معلومات کی کثرت کے باوجود بصیرت مفقود ہے،اور آزادی کے نعروں کے باوجود انسان اپنی ہی خواہشات کا اسیر بنتا جا رہا ہے۔یہ صورتِ حال اس حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ انسانی مسئلہ وسائل یا ترقی کا نہیں،بلکہ فکر اور رہنمائی کا ہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ اقوام کا عروج و زوال،نظاموں کی کامیابی یا ناکامی،اور معاشروں کی تعمیر یا تباہی؛سب اس فکری بنیاد پر استوار رہی ہے جس پر انسانی زندگی کھڑی کی گئی۔جب فکر درست رہی تو معاشرے سنور گئے،اور جب فکر بگڑی تو تہذیبیں بکھر گئیں۔

آج دنیا ایک بار پھر اسی موڑ پر کھڑی ہے جہاں اسے کسی جزوی یا عارضی نظریے کی نہیں،بلکہ ایک متوازن اور فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ فکر کی ضرورت ہے جو انسان کو اس کے مقصد وجود، اخلاقی ذمہ داری اور انجامِ کار سے آگاہ کرے۔یہ ضرورت اگر کسی فکر میں پوری کرنے کی صلاحیت ہے تو وہ اسلامی فکر ہے۔

اسلامی فکر دراصل زندگی کو خالقِ کائنات کے احکام پر گامزن رکھنے کا نام ہے۔یہ فکر انسان کو محض ایک معاشی اکائی یا حیوانِ ناطق نہیں سمجھتی، بلکہ اسے ایک بامقصد، جواب دہ اور ذمہ دار ہستی قرار دیتی ہے۔قرآن انسان کو زمین پر محض آباد کار نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ قرار دیتا ہے،یعنی ایک ایسا وجود جسے اختیار بھی دیا گیا ہے اور جواب دہی کا پابند بھی بنایا گیا ہے۔

اسلامی فکر انسان کے اندر یہ شعور پیدا کرتی ہے کہ وہ کیوں پیدا کیا گیا، اس دنیا میں اس کا کردار کیا ہے، اسے کہاں جانا ہے اور اس کی زندگی کن اصولوں کی پابند ہے؟!

جدید دنیا کے اکثر فکری نظام ان بنیادی سوالات کا یا تو انکار کرتے ہیں یا ان کا ادھورا اور گمراہ کن جواب دیتے ہیں،جس کے نتیجے میں انسان فکری خلا اور ذہنی بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔

دنیا میں رائج فکری نظاموں پر نگاہ ڈالی جائے تو سب سے پہلے سرمایہ دارانہ فکر سامنے آتی ہے جو جدید مغربی تہذیب کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔اس فکر نے آزادیِ فرد اور منافع خوری کو زندگی کا محور بنا دیا۔اس سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور سہولتیں پیدا ہوئیں،مگر اسی کے ساتھ انسان مادے کا غلام بنتا چلا گیا،اور دولت کا حصول ہی مقصدِ حیات بن کر رہ گیا، اخلاقی قدریں منافع کے ترازو میں تولی جانے لگیں اور انسان، انسان کے استحصال کے در پے ہو گیا،چند فیصد افراد دنیا کی اکثریتی دولت پر قابض ہو گئے، جبکہ کروڑوں انسان بھوک، افلاس اور محرومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

سرمایہ دارانہ فکر میں انسان کی قدر اس کی افادیت سے ناپی جاتی ہے، جبکہ اسلامی فکر میں انسان کی قدر اس کے اخلاق، کردار اور تقویٰ سے متعین ہوتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے ردِّعمل میں اشتراکی اور سوشلسٹ فکر سامنے آئی۔اس فکر نے مساوات اور طبقاتی نظام کے خاتمے کے نعرے لگائے،مگر عملی سطح پر یہ فکر انسانی فطرت سے ٹکرا گئی۔فرد کی آزادی سلب کر دی گئی، ریاست کو مطلق العنان بنا دیا گیا اور اختلافِ رائے جرم قرار پایا، معاشی مساوات کے نام پر فکری غلامی، سیاسی جبر اور انسانی حقوق کی پامالی عام ہو گئی۔

اشتراکی فکر انسان کو محض ایک معاشی پرزہ بنا دیتی ہے، جبکہ اسلامی فکر فرد اور اجتماع دونوں کو ان کے فطری دائرے میں متوازن مقام عطا کرتی ہے۔

قوم پرستی، وطن پرستی اور نسل پرستی جیسے افکار نے بھی انسانیت کو شدید نقصان پہنچایا۔ ان نظریات نے انسان کو انسان سے جوڑنے کے بجائے اسے مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا۔

عالمی جنگیں، نسل کش فسادات اور علاقائی تنازعات انہی محدود نظریات کا نتیجہ ہیں۔

اسلامی فکر ان تمام مصنوعی حد بندیوں کو توڑ کر پوری انسانیت کو ایک خاندان قرار دیتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ برتری کی بنیاد نہ قوم ہے، نہ وطن، نہ نسل۔بلکہ اخلاق اور تقویٰ ہے۔

سیکولر فکر نے مذہب کو زندگی کے اجتماعی میدان سے بے دخل کرنے کی کوشش کی، اس فکر نے قانون کو اخلاق سے جدا کر دیا اور طاقت کو حق کا

معیار بنا دیا، جس کے نتیجے میں جدید معاشروں میں قانون تو موجود ہے، مگر اخلاقی روح ناپید ہے، خاندانی نظام کمزور ہوگیا، بے حیائی اور جرائم میں اضافہ ہوا، اور ذہنی امراض بڑھ گئے۔

اسلامی فکر مذہب کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا سرچشمہ قرار دیتی ہے اور قانون و اخلاق کے درمیان کوئی دیوار نہیں کھڑی ہونے دیتی۔ وجودیت، مادیت اور لادینیت جیسے فلسفوں نے انسان کو مزید فکری انتشار میں مبتلا کیا۔ انسان کو بے مقصد، کائنات کو اندھی اور زندگی کو محض اتفاق قرار دیا گیا۔ نتیجتاً انسان تنہائی، بے معنویت اور ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ بڑھتا ہوا ڈپریشن اور خودکشی اسی فکری خلا کا ری ایکشن ہے۔

اسلامی فکر انسان کو یہ یقین دلاتی ہے کہ اس کی زندگی با مقصد ہے، اس کے اعمال کا حساب ہے اور اس کا رب اس سے بے خبر نہیں۔ یہی یقین انسان کو سنبھالتا اور سنوارتا ہے۔ اسلامی فکر کی سب سے نمایاں خوبی اس کا توازن ہے۔ یہ انسان کو نہ فرشتہ بنا کر زمین سے کاٹتی ہے اور نہ حیوان بنا کر خواہشات کے سپرد کرتی ہے۔ یہ جسم اور روح، دنیا اور آخرت، عقل اور وحی کے درمیان ہم آہنگی قائم کرتی ہے۔

اسلامی فکر میں علم ہدایت بنتا ہے، طاقت امانت بن جاتی ہے اور آزادی ذمہ داری کے تابع ہوجاتی ہے۔ اگر اسلامی فکر کو فرد اختیار کرے تو اس کی زندگی مقصد، ضبطِ نفس اور اخلاقی استحکام سے بھر جاتی ہے، اور اگر معاشرہ اختیار کرے تو عدل، امن اور باہمی اعتماد کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔ یہی فکر سیاست کو خدمت، معیشت کو عدل اور طاقت کو جواب دہی میں بدل دیتی ہے۔

آج کی دنیا جن فکری تجربات، نظریاتی آزمائشوں اور عملی ناکامیوں سے گزر چکی ہے، وہ اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کر چکی ہیں کہ محض انسانی عقل (خواہ وہ کتنی ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو) انسانیت کی ہمہ گیر اور دیرپا رہنمائی کے لئے کافی نہیں۔

جب بھی انسان نے وحی سے کٹ کر اپنی فکر کی بنیاد رکھی، وہ یا تو افراط کا شکار ہوا یا تفریط کا، اور بالآخر خود اپنی ہی تخلیق کردہ گمراہیوں میں الجھ کر رہ گیا۔

اس کے برعکس، اسلامی فکر وہ واحد فکری نظام ہے جو خالق کی عطا کردہ ہدایت پر قائم، انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اسلامی فکر انسان کو اس کے رب سے جوڑتی ہے، اس کی زندگی کو مقصد عطا کرتی ہے اور اس کے اعمال کو جواب دہی کے شعور سے منور کرتی ہے۔ یہی فکر فرد میں اخلاقی استحکام پیدا کرتی ہے، معاشرے میں عدل و امن کی بنیاد رکھتی ہے اور انسانیت کو باہمی احترام اور اعتماد کا پیغام دیتی ہے۔

یہ فکر نہ انسان کو دنیا سے کاٹتی ہے اور نہ دنیا میں گم کر دیتی ہے، بلکہ اسے دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کا سلیقہ سکھاتی ہے اور زندگی کے ہر مرحلے کو بامعنی بناتی ہے۔ اگر آج کی انسانیت واقعی فکری انتشار، اخلاقی زوال اور روحانی بے اطمینانی سے نجات چاہتی ہے تو اسے جزوی، وقتی اور بارہا آزمودہ نظریات کے بجائے اسلامی فکر کی ہمہ گیر، متوازن اور فطرت شناس رہنمائی کی طرف سنجیدگی کے ساتھ رجوع کرنا ہوگا۔

یہی فکر انسان کو اس کے رب، اس کی فطری تخلیق اور اس کے ہم نوع سے جوڑ سکتی ہے، اور یہی فکر دنیا کو بار بار ناکام تجربات سے محفوظ رکھ سکتی ہے، اخلاقی تباہی اور بے معنویت کے اندھیروں سے نکال کر امن، سکون اور انسانیت کے بلند مقام پر فائز کرسکتی ہے۔

☆☆☆

نعت پاک ﷺ

نسیم خان علیگ (ممبئی)

بے خوف ہوں میں، لب پہ مرے صلِ علیٰ ہے
کشتی ہے گو گرداب میں اور تیز ہوا ہے

نغمات درودوں کے مچلتے ہیں لبوں پر
رحمت کی مرے دل پہ عجب چھائی گھٹا ہے

آتا ہے نظر خواب میں ہر سمت بہت نور
لگتا ہے مجھے یوں کہ مدینہ کی فضا ہے

اے شاہِ عرب! شاہِ عجم! سرورِ کونین!
سکہ ترا ہر دور میں لا ریب چلا ہے

تو ختمِ رسل، فخرِ جہاں، والیٔ کل ہے
قرآں میں ترا نام نگینہ سا جڑا ہے

ہے وقتِ سحر اور مرے ہاتھ اٹھے ہیں
آنکھوں میں نمی، لب پہ مدینہ کی دعا ہے

اک قافلہ نکلا ہے ابھی سوئے مدینہ
حسرت کا مرے دل میں ابھی شور اٹھا ہے

اُس سا نہ کسی ماں نے جنا ہے نہ جنے گی
اس ذات پہ رحمت ہو جو محبوبِ خدا ہے

ہر روز مری عمر کے دن گھٹ ہی رہے ہیں
پھر بھی شہِ لولاک! مرا عشق نیا ہے

والیل تری زلفِ معنبر کا ہے سایہ
چہرہ نے ترے دن کو ضیا بار کیا ہے

نازل ہوئی پھر سورہ لہب عرش بریں سے
بولہب نے سرکار پہ جب طنز کسا ہے

ہوتے ہوئے فاتح بھی کیا اذنِ معافی
دنیا سے ترا واقعی انداز جدا ہے

اے رحمتِ عالم مری حالت پہ رحم کر
دنیا میں مرا کوئی نہیں تیرے سوا ہے

فصل بہاراں

رمضان المبارک - احتساب کا مہینہ

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

تقوی: یہ پاک وصاف قرآنی لفظ ہم نے اپنی زندگی میں شاید ہزاروں دفعہ سنا ہوگا، اس کے معانی ومطالب سے بھی ہم خوب واقف ہیں، اس موضوع پر اچھی سے اچھی تقریر کرکے سیکڑوں لوگوں کو متاثر بھی کر سکتے ہیں، ایک شاندار مضمون لکھ کر بلکہ اور آگے بڑھ کر کہیں تو ایک عمدہ کتاب تصنیف کرکے لوگوں سے داد پا سکتے ہیں، ہم میں بہت سارے ایسے حضرات ہیں جو یہ کام بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں، یہ تصویر کا ایک رخ ہے، تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ہماری سوچ کا رخ ہماری اپنی ذات کی طرف بہت کم رہتا ہے، اچھائیوں کے تعلق سے ہماری فکر کا محور ''کیا کہنا ہے اور کیسے کہنا ہے'' بس یہی رہتا ہے، عوام الناس میں جو حضرات دین پسند سمجھے جاتے ہیں ان کی سوچ بھی ''کیا سننا ہے اور کتنا سننا ہے'' سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔ جو طبقہ دین سے دور ہے اس نے اپنی زندگی کے تعلق سے یہ اصول بنا لیا ہے کہ ''ہمیں کچھ نہیں سننا ہے''۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور اپنی زندگی میں کس طرح کا انقلاب برپا کرنا ہے یہ سوچنے کی ہمیں فرصت نہیں ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہم اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، خود احتسابی کا فقدان اور اپنے متعلق غیر حقیقت پسندانہ رویہ ہمارا ذاتی اور قومی روگ بن گیا ہے، بلکہ ہماری پہچان بنا ہوا ہے، شب وروز پیش آنے والے کتنے واقعات ہیں، وقتاً فوقتاً بہت بڑے عبرت انگیز واقعات سامنے آتے ہیں، لیکن خود اپنے متعلق غفلت کے پردے چاک نہیں ہوتے ہیں، نگاہوں پر پٹی بدستور بندھی رہتی ہے، ہم آپ کو درجۂ کمال پر فائز سمجھ کر آگے بڑھتے ہیں، اس لیے بسا اوقات زوال کو بھی کمال سمجھنے پر مصر ہوتے ہیں، اور اسے کمال کی صورت میں دکھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

تبدیلی کی ضرورت

ہماری زندگی میں رمضان کا مہینہ کتنی دفعہ آیا اور گذر گیا، روزے بھی ذوق وشوق سے رکھے گئے، تراویح بھی ادا ہوتی رہی، اور عبادات بھی حتی المقدور ہوئیں، لیکن غیبت کو کھرچ کر نکالا نہ جاسکا، ناک اونچی رکھنے کا شوق بدستور سر پر سوار، لڑائی جھگڑے پہلے ہی کی طرح، غلط مقدمہ بازی کا مزاج مٹایا نہ جاسکا، جاہلی نخوت اور عصبیت بالکل ویسی ہی، قطع رحمی اور حقوق کی پامالی میں ادنی تغیر نہیں، گویا رمضان میں پردہ پڑا ہوا تھا، مہینہ کیا گزرا کہ پردہ اٹھ گیا، ہر چیز جوں کی توں، کسی مرض میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں، کیا یہ مبارک مہینہ صرف اسی لیے آتا ہے کہ بعض خاص عبادات کا اضافہ ہو اور ضابطہ کی خانہ پری کی جائے پھر خوش بھی ہوا جائے کہ اب کی بار ہم نے رمضان کا حق ادا کر دیا!؟ اگر یہ تصور صحیح ہے (جو ہمارا بنا ہوا ہے) تو پھر اس مبارک آیت کا کیا مطلب ہے؟ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم اللہ سے ڈرنے لگ جاؤ)، اسی طرح اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ'' (بخاری) (جو شخص جھوٹی قسمیں، جھوٹی باتیں اور جھوٹے کام نہ چھوڑے تو اللہ کو بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایسا شخص (روزے کے نام پر) اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)۔ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ وَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ''(دارمي) (کتنے ایسے روزے دار ہیں جن کو اپنے روزے سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں، کتنے ایسے عبادت گذار ہیں جنہیں اپنی عبادت سے نیند چھوڑنے کی تکلیف کے سوا کچھ نہ ملا)۔

واقعہ یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ ہم سے زبردست انقلابی تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے، تقویٰ کا مطلب ہی یہ ہے کہ خوف خدا کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے جو زندگی پر چھا جائے، قرآن کریم نے تقویٰ کے لیے {خَيْرَ الزَّادِ} کا لفظ استعمال کیا ہے، جس طرح توشہ انسان کی جسمانی بقاء کا سامان کرتا ہے، ویسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر انسان کی حقیقی شخصیت کو قائم رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ تقویٰ ہے، اسی کو ایک جگہ {لِبَاسُ التَّقْوَىٰ} کہا گیا ہے، یعنی تقوی نمائشی تواضع دکھانے کا نام ہرگز نہیں، یہ تو انسان پر چھانے والی کیفیت ہے جو زندگی کے دھارے کو بدل کر رکھ دے، اس کا تعلق دل سے ہے، اندر اتنی حسین تبدیلی آجائے کہ خود بخود اس کے پھول کھلنے لگ جائیں، اور انسان سراپا جود وکرم، سراپا خیر وبرکت اور مجسم اخلاق حسنہ بن جائے، خدا کا وفادار اور بندگانِ خدا کا وفاشعار۔

خوب سے خوب تر کی تلاش

یہ مبارک مہینہ خوب سے خوب تر کی تلاش کا سبق دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کس کی زندگی کامل ہوسکتی ہے؟ بنفسِ نفیس آپ ﷺ کی عبادت، سخاوت اور تلاوت میں مزید اضافہ ہوتا، شب بیداری کی مقدار ایک تہائی رات یا نصف رات سے بڑھ کر پوری پوری رات تک پہنچ جاتی، عشرہ اخیرہ میں تو لگ بھگ پوری شب عبادت کا معمول نظر آتا ہے۔ اس سے امت کو ایک پیغام دینا بھی مقصود ہے کہ عبادت، اعمال، اخلاق، احسان، ہر نیک عمل میں چاہے وہ قلبی ہو یا بدنی، مالی ہو یا اخلاقی، جو بھی ترقی ہو سکتی ہے وہ اس مہینہ میں کی جائے۔

خود احتسابی

زندگی کے سفر میں یہ مبارک مہینہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں کچھ دیر رک کر گذرے ہوئے سفر کو دیکھا جائے، اور آگے کے لیے راستے ہموار کیے جائیں، اسی کا نام خود احتسابی ہے، خود احتسابی کا یہ عمل ہر پہلو سے ہو، عجیب بات ہے کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک مہینہ میں وہ تمام پہلو یکجا کیے ہیں۔

یہ مبارک مہینہ روزوں کا ہے لہٰذا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھے جائیں اور یہ جائزہ لیا جائے کہ زندگی میں ''حرص'' کا گراف کتنا بڑھا ہوا ہے، اور اسے کس قدر کنٹرول کرنا چاہیے، یہ صبر کا مہینہ ہے، لہٰذا روزوں کے ذریعہ یہ بھی دیکھے کہ بے صبری کی کیفیت کتنی بے قابو ہو چکی ہے تا کہ اس پر بند باندھا جائے، یہ نفسانی خواہشات سے بچنے کا مہینہ ہے، اس بنا پر آسانی کے ساتھ اپنے اندر کی ''نفسانیت'' معلوم کی جاسکتی ہے تا کہ اس منہ زور گھوڑے کی (بلکہ گدھے کی) لگام کسی جائے، یہ راتوں کو جاگنے کا مہینہ ہے، اس کے ذریعہ دیکھا جائے کہ زندگی میں سستی و کاہلی کا عمل دخل کتنا بڑھ چکا ہے؛ تا کہ آئندہ کی زندگی میں اس فضول لعنت کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے، یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے؛ لہٰذا انسانوں کا وہ طبقہ جو دبا کچلا ہے، معاشرہ میں جسے کوئی قریب کرنے اور گلے لگانے کے لیے تیار نہیں، اس طبقہ کے ساتھ اپنے رویے پر نظر ثانی کی جائے، اور رسول اکرم ﷺ کا مبارک ارشاد: ''اِبْغُونِي فِي الضُّعَفَاءِ'' (مجھے کمزوروں میں تلاش کرو) کو ایک بار پھر تازہ کیا جائے، یہ سخاوت و فیاضی کا مہینہ ہے؛ اس لیے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ دل و دماغ کے کن گوشوں میں بخل و کنجوسی کے جراثیم پنپ رہے ہیں، پھر خداوند قدوس کی شان کریمہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے صدقہ و خیرات کی بارش سے بخل کے جراثیم کو ہمیشہ کے لیے صاف کردیا جائے، یہ مبارک مہینہ دعا کی قبولیت کا ہے؛ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں دعا قبول ہوتی ہے، اسی طرح روزہ دار کی دعا بھی رد نہیں ہوتی، افطار کا وقت خاصی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، رمضان کے مہینہ میں افطار کے وقت دعا کرنے والا روزہ دار کم از کم تین اسباب قبولیت کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے، خود قرآن کریم میں آیات صیام کے دوران اچانک دعا اور قبولیت دعا کی آیت وارد ہوئی ہے، جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس مہینہ کا دعا سے کتنا گہرا تعلق ہے، ''قوت بازو پر بھروسہ'' کے نام پر ہمارا نوجوان طبقہ دعا جیسی عظیم عبادت اور سعادت سے پہلو تہی کرتا ہے، اس کے لیے اس مبارک مہینہ سے بہتر زمانہ کہاں مل سکتا ہے کہ اپنا احتساب کرے، دوسری طرف وہ حضرات ہیں جو معمولات کے دائرے سے قدم باہر نکالنا گویا گناہ تصور کرتے ہیں، بندگانِ خدا کی نفع رسانی کے لیے جدوجہد کا مزاج نہیں رکھتے، ان کے لیے بھی یہ مہینہ پیغام رکھتا ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی طاقت کو پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اللہ کے لیے کھپایا جائے، تا کہ ''اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ'' کا نمونہ سامنے آئے، روزے جیسی عظیم الشان عبادت میں اللہ رب العزت نے طبعی طور پر جو مشقت رکھی ہے اسی کو پیش نظر رکھ کر زندگی کے تمام میدانوں میں اللہ کے لیے عملی جدوجہد کا سبق سیکھا جائے۔

تقوی کی بہار

قرآن کریم میں جہاں روزوں کا تذکرہ ہوا ہے اس کی ابتداء اور انتہاء تقوی پر کی گئی، ابتداء اس باوقار انداز سے ہوتی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو)۔ پھر روزوں سے متعلق آیات کا اختتام اس طرح کیا گیا ہے: {كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ} (اللہ تعالی اس طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے کھول دیتا ہے تا کہ وہ متقی بن جائیں)۔

تقوی کی یہ مبارک کیفیات اللہ رب العزت کے سامنے جوابدہی کا احساس بیدار رکھتی ہیں، یہی درحقیقت خود احتسابی کی جان ہے، اس کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، یہاں تک کہ جو لوگ ''تکمیل'' کے مرحلہ سے گذر چکے ہوں، ان کو بھی اس کی بڑی ضرورت ہے، چاہے یہ ''تکمیل'' مدرسی ہو، خانقاہی ہو، جماعتی ہو یا پھر تحریکی ہو، اس ضرورت سے کوئی مستثنیٰ نہیں، رمضان کے مبارک مہینہ سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی موزوں زمانہ نہیں۔

☆☆☆

محاسن اسلام

عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی کیوں؟

منور سلطان ندوی (رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

اسلامی شریعت میں گواہی کا نظام محض ایک قانونی ضابطہ نہیں بلکہ عدلِ اجتماعی کے قیام کا بنیادی ستون ہے۔ قرآنِ کریم نے گواہی کو امانت، اخلاقی ذمہ داری اور تقویٰ سے جوڑ کر پیش کیا ہے، اور اسی بنیاد پر گواہوں کی اہلیت، نوعیت اور دائرۂ کار متعین کیا گیا ہے۔ عورت کی گواہی سے متعلق بعض احکام کو اس ہمہ گیر نظام سے الگ کر کے دیکھا کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں کم تر قرار دیا ہے، حالانکہ یہ تاثر نہ اصول شریعت سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی نصوص شرعیہ کے مطابق ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں اسی مسئلے کو قرآن، سنت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام

اسلام میں عورتوں کے حقوق، سماج میں اس کے مقام ومرتبہ اور انسانی نسل کی بقاء وتحفظ میں عورت کا کردار، ان موضوعات میں اسلامی تعلیمات میں اتنا لٹریچر موجود ہے کہ پورا کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے، ان موضوعات پر قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات واضح انداز میں موجود ہیں، اس لئے عورت کی عزت کو ناپنے کا معیار صرف اس ایک مسئلہ کو بنانا قرین انصاف نہیں ہے، اسلامی تعلیمات میں عورتوں کے حقوق سے متعلق واضح اور دوٹوک ہدایات موجود نہ ہوتیں، تب بھی اس ایک مسئلہ کی بنیاد پر اعتراض کرنا اور اسے عورت کی تحقیر کا عنوان دینا مناسب نہیں ہوتا۔

عورت کی گواہی کے مسئلہ کو اسلام میں عورت کی مجموعی حیثیت، اور اسلام کے معاشرتی نظام کو سامنے رکھ کر دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے، یہی انصاف کا تقاضا ہے اور یہی سلیم الفطرت اہل علم کی عادت ہے۔

گواهی: ایک ذمہ داری

اسلام میں گواہی محض عدالت میں بیان دینا نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ اور اخلاقی ذمہ داری ہے، یہ عدل کے قیام، ظلم کے انسداد اور معاشرتی و سماجی تحفظ کا اہم ترین ذریعہ ہے، اس لئے گواہی کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، جس میں کوتاہی گناہ شمار ہوگی، حتی کہ اگر اپنی ذات، والدین اور اپنے رشتہ داروں کے خلاف گواہی دینا پڑے تو گواہی دینا ضروری ہے، عدل کا یہی تقاضا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلقِسطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَو عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم أَوِ ٱلوَٰلِدَينِ وَٱلأَقرَبِينَۚ إِن يَكُن غَنِيًّا أَو فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَولَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلهَوَىٰٓ أَن تَعدِلُواْۚ وَإِن تَلوُۥٓاْ أَو تُعرِضُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِيرًا۔ (سورہ نساء: ۱۳۵) اے مسلمانو! تم لوگ انصاف قائم کرنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، گو اپنے آپ کے یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، (جس کے خلاف گواہی دے رہے ہو) وہ مالدار ہو یا غریب، کیونکہ اللہ ہی ان دونوں کے زیادہ خیرخواہ ہیں، پس تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ انصاف سے ہٹ جاؤ، اور اگر سخن سازی یا پہلوتہی کروگے تو اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہے۔

دشمنی اور عداوت کو بھی عدل کی راہ میں رکاوٹ نہیں مانا گیا ہے، یعنی دشمن کے مسئلہ میں بھی جھوٹی گواہی کی گنجائش نہیں ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلقِسطِ وَلَا يَجرِمَنَّكُم شَنَـَٔانُ قَومٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعدِلُواْۚ ٱعدِلُواْ هُوَ أَقرَبُ لِلتَّقوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعمَلُونَ۔ (سورہ مائدہ: ۸) اے ایمان والو! اللہ کا حق ادا کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے رہو، کسی قوم کی دشمنی تم کو ناانصافی پر آمادہ نہ کردے، انصاف کرو، یہی تقوی سے قریب تر راستہ ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

گواہ کون کون بن سکتے ہیں، گواہ بننے کی اہلیت کیا ہے؟ احادیث اور فقہ اسلامی کی کتابوں میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اور یہ کام کتنا اہم، ضروری اور نازک ہے۔

فقہاء نے گواہ اہلیت وصلاحیت پر تفصیلی گفتگو کی، ان کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ گواہی کی بنیاد علم یقین اور ضبط یعنی یادداشت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی کا معیار جنس نہیں ہے۔

گواهی کا مقصد عدل کا قیام

اسلام کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد عدل ہے، عدل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عدل کو انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد قرار دیا گیا ہے:

لَقَد أَرسَلنَا رُسُلَنَا بِٱلبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلنَا مَعَهُمُ ٱلكِتَٰبَ وَٱلمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلقِسطِ (الحدید: ۲۵) ہم نے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں

دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ آسمانی کتاب اور ترازو بھی اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

اور گواہی عدل کے قیام کا اہم ترین ذریعہ اور وسیلہ ہے، قرآن کریم میں عدل قائم کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے، اس لئے گواہی کے لئے عادل ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، متعدد آیات میں یہ بات کہی گئی ہے:

۱-وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ. (سورہ طلاق:۲)۔۲-يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (سورہ مائدہ:٦)

اسی بنیاد پر گواہی کو چھپانا دینی اور اخلاقی جرم قرار دیا گیا: وَلَا تَكْتُمُواْ الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورۃ بقرۃ:۲۸۳)۔

آیت جس پر اعتراض ہے

قرآن کریم کی جس آیت پر سوالیہ نشان لگایا جاتا ہے وہ درج ذیل ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ (سورہ بقرہ:۲۸۲) اور اپنے مردوں میں سے دو شخص کو گواہ بنالو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو، گواہان ایسے لوگوں میں سے ہو جن کو تم پسند کرتے ہو، (دو عورتیں اس لئے کہ) ان دو میں سے ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلادے۔

یہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اس آیت کو آیت مداینہ (قرض والی آیت) بھی کہا جاتا ہے، یہ آیت قرض، معاہدہ تحریر کرنے، گواہوں کی ذمہ داری، مدت کی تعیین، کاتب کی دیانت، اور مرد و عورت کی گواہی، جیسے احکام کو شامل ہے، گویا اسلام کے مالی وقانونی نظام میں گواہی اور تحریر واحتیاط کے اصولوں کی یہ نہایت جامع آیت ہے۔

اس آیت میں مالی معاملات سے متعلق ہدایات دی جاری ہے، مالی معاملات کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، جس کے لئے ان مسائل کو شعور ضروری ہے، اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عموماً مالی معاملات کا شعور مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں کم ہوتا ہے، کیونکہ انہیں ان مسائل کا سامنا نہیں ہوتا، نیز ان معاملات میں نزاع ہو تو گواہ کو بار بار گواہی کے لئے طلب کیا جاسکتا ہے، جبکہ عموماً عورتیں اپنے گھر اور بچوں کی پرورش میں مصروف رہتی ہیں، ان اسباب کی بناء پر اس طرح کے معاملات میں شامل ہونا، اور معاملہ کو یاد رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ اسی لئے آیت کے اخیر میں یہ وضاحت بھی کردی گئی کہ دو مردوں کی عدم موجودگی میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو اس لئے رکھا گیا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔

علامہ ابن قیمؒ نے واضح کیا ہے کہ عورت کی گواہی کا نصف ہونا اس کے دین یا عدالت میں کسی کمی کی بنا پر نہیں، بلکہ بعض معاملات میں ضبط و یادداشت کے فرق کی وجہ سے ہے۔ اسی بنیاد پر عام حالات میں عورتوں کی عدالت مردوں کے برابر ہے، اور جن معاملات میں عرفاً غلطی یا بھول کا اندیشہ نہیں ہوتا وہاں عورت کی گواہی نصف نہیں بلکہ مکمل معتبر ہوتی ہے:

فَبَيَّنَ أَنَّ شَطْرَ شَهَادَتِهِنَّ إِنَّمَا هُوَ لِضَعْفِ الْعَقْلِ لَا لِضَعْفِ الدِّينِ، فَعُلِمَ بِذَلِكَ أَنَّ عَدْلَ النِّسَاءِ بِمَنْزِلَةِ عَدْلِ الرِّجَالِ، وَإِنَّمَا عَقْلُهَا يَنْقُصُ عَنْهُ، فَمَا كَانَ مِنَ الشَّهَادَاتِ لَا يُخَافُ فِيهِ الضَّلَالُ فِي الْعَادَةِ، لَمْ تَكُنْ فِيهِ عَلَى نِصْفِ رَجُلٍ۔ (الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية، ص:١٢٦)

عورتوں کی گواہی کے مراتب

مرد کی طرح عورت بھی گواہی دینے کی اہلیت رکھتی ہے، معروف فقیہ علامہ ابن قدامہ نے صرف عورتوں کی گواہی قبول کئے جانے پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: لا نعلمُ بين أهلِ العلمِ خِلافًا، في قَبولِ شَهادةِ النِّساءِ المُنفرِداتِ في الجُملة۔ (المغنی، ج۱۴، ص:۱۳۴)

البتہ معاملات کی اہمیت اور نزاکت کے اعتبار سے عورت کی گواہی کن معاملات میں معتبر ہوگی اور کن میں نہیں، اس سلسلہ میں تفصیلات ہیں، خلاصہ یہ کہ:

۱-ایسے معاملات جہاں مردوں کی رسائی ممکن نہیں ہے وہاں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے، مثلاً لڑکی کے بلوغ، ناپاکی کی مدت، پیدائش اور عورتوں کے عیوب وغیرہ، ان مسائل میں مردوں کی گواہی نہیں مانی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَحْدَهُنَّ، إِلَّا فِيمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ غَيْرُهُنَّ، مِنْ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَحَمْلِهِنَّ وَحَيْضِهِنَّ۔ (الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية، ص:١٢٦)

۲-حدود وقصاص سے متعلق مسائل میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے، امام زہری کا قول ہے: مضت السنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده أن لا تقبل شهادة النساء في حدود ولا قصاص۔ (الموسوعة الفقهيه، ج۳۳، ص:۱۳)

جمہور فقہاء کا یہی موقف ہے، اور اس کی بنیاد حدود میں شدید احتیاط کے اصول پر ہے، نہ کہ عورت کی اہلیت کی نفی پر۔

۳-وصیت، نسب جیسے متعدد ایسے احکام ہیں جہاں عورت کی گواہی مرد کے برابر مانی جاتی ہے، بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کے ثبوت کے لئے بھی عورت کی گواہی مرد کے برابر ہے۔

۴۔ لعان (مردعورت پر بدیانتی کا الزام لگائے، اور کسی کے پاس کوئی گواہ موجود نہ ہو) کے مسئلہ میں مرد اور عورت دونوں کی گواہی کو یکساں رکھا گیا ہے، سورہ نور میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۵۔ مالی معاملات مثلاً خرید وفروخت، قرض، کرایہ داری وغیرہ میں عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں نصف شمار کی جاتی ہے، یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ معاملات کی نوعیت کے لحاظ سے عورت کی گواہی کے الگ الگ درجات ہیں، ہر معاملہ میں عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں نصف نہیں ہے، لہذا ایک متعین جہت سے متعلق مسائل میں عورت کی گواہی کے مسئلہ کو کلیہ مان کر پیش کرنے اور اس سے عورت کی توہین و تحقیر ثابت کرنا علمی دیانت کے خلاف عمل ہے۔

عورت کا اصل میدان

عورت کی فطرت، اور اس کو مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام میں عورت کو گھر اور بچے کی تربیت کی ذمہ داری دی گئی ہے، اس کے برعکس مردوں کے ذمہ معاش کا انتظام ہے، اس پس منظر میں دیکھا جائے تو جب عورت اپنے گھریلو ذمہ داریوں میں مصروف ہوگی تو اس کے لئے مالی معاملات میں گواہ بننا آسان نہیں ہوگا، پھر اگر کسی معاملہ میں گواہ بن بھی گئی تو اس کو یاد رکھنا اور ضرورت پڑنے پر گواہی دینا اس کے لئے آسان نہیں ہے، اس لئے مالی معاملات میں عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلہ میں نصف شمار کیا گیا ہے، یہ کہیں سے بھی عورت کی توہین نہیں ہے، بلکہ یہ عورت کے ساتھ خصوصی رعایت ہے، اور عدالتی چکروں سے عورت کا تحفظ ہے۔

عورت کے تئیں مغرب کا اصول چونکہ مکمل مساوات کا ہے، جبکہ اسلام کا نظریہ ہے کہ مرد وعورت دونوں مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے لئے تکمیل کا ذریعہ ہیں، اس لئے عورت پر ایسی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں جو ان کی فطرت اور مزاج آہنگ ہیں۔

گواہی کا تعلق اہلیت وقابلیت سے ہے، نہ کہ مقام ومرتبہ سے، اس لئے بعض معاملات میں عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلہ نصف شمار کئے جانے کو مساوات کے خلاف باور کرانا اسلامی تعلیمات کے علاوہ عقل وفطرت کی روشنی میں بھی درست نہیں ہے۔

☆☆☆

امیر شریعت کرناٹک مولانا مفتی صغیر احمد خاں رشادی کی رحلت

۱۲ر جنوری کو صبح کی اولین ساعتوں میں امت اسلامیہ، ہند ایک بڑے عالمِ دین اور جلیل القدر رہنما سے اس وقت محروم ہوگئی جب ملک کے نامور دینی ادارہ 'دار العلوم سبیل الرشاد' کے سربراہ و مہتمم اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلسِ عاملہ کے فعال رکن حضرت مولانا مفتی صغیر احمد خاں رشادی اس عالمِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت عام افرادِ امت کے لیے ہی نہیں بلکہ اہلِ علم ودعوت کے لیے بھی بڑے صدمہ کا باعث ہے۔ وہ ایک عظیم عالمِ دین، محدث، مفسر اور داعی و مصلح تھے، اور انھوں نے اپنی پوری حیاتِ مستعار علم ودین کی خدمت اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وتربیت میں گذاری اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔

مولاناؒ کا تعلق ضلع میسور سے تھا، انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد حفظ قرآنِ کریم اور اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم سبیل الرشاد، بنگلور میں داخلہ لیا، اور ہمیشہ امتیازی درجات سے تعلیمی مراحل طے کرتے رہے، اور عالمیت وفضیلت تک رسائی حاصل کی۔ فراغت کے بعد ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مادرِ علمی میں ہی تدریس کا موقعہ دیا گیا، اور مولانا رفتہ رفتہ اعلیٰ مناصب حاصل کرتے ہوئے شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر کے مناصب پر فائز ہوئے۔ وہ ادارہ کے سابق سربراہ اور مہتمم اور سابق امیر شریعت مولانا مفتی محمد اشرف علی باقویؒ کے منظورِ نظر، خاص تربیت یافتہ اور ان کی شخصیت کا عکسِ جمیل تھے۔ ان کی وفات کے بعد باتفاقِ رائے جب دار العلوم سبیل الرشاد کے مہتمم اور امیر شریعت کرناٹک مقرر ہوئے تو اپنی صلاحیتوں سے ادارہ اور قوم وملت کو فائدہ پہونچایا، اور مولانا باقوی کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم سبیل الرشاد کے ماہنامہ 'سلسبیل' کا احیاء بھی کیا اور ان کی ادارت میں یہ مجلہ علم وادب کی خدمت انجام دیتا رہا۔

مولاناؒ، ایک متواضع، ملنسار، تقوی شعار اور دیگر اخلاقِ فاضلہ اور صفات حمیدہ سے متصف شخصیت کے مالک تھے، اور اس معنی میں ممتاز تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی معتدل طبیعت سے نوازا تھا، وہ قوم وملت کا درد رکھتے تھے، اور مخلصانہ خدمت کرتے تھے۔

مولانا رشادی کی رحلت ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی حسنات کو قبول فرمائے، اور متعلقین ولواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆

میر کارواں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

عصرِ جدید کا بیدار ضمیر

ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی (سابق پرنسپل، میسکو کالج، حیدرآباد)

بیسویں صدی اسلامی دنیا کے لیے فکری اضطراب، تہذیبی تصادم اور روحانی بے سمتی کی صدی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان سیاسی غلامی، فکری مرعوبیت اور تہذیبی احساسِ کمتری کے شدید بحران سے دوچار تھے۔ ایسے نازک اور فیصلہ کن عہد میں جن شخصیات نے امتِ مسلمہ کو اس کی گمشدہ شناخت، اس کے تاریخی منصب اور اس کی دعوتی ذمہ داری کا شعور عطا کیا، ان میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا نام نہایت نمایاں اور درخشاں حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا محض ایک عالمِ دین یا مصنف نہیں تھے، بلکہ وہ عصرِ جدید کا ضمیرِ بیدار، اسلامی فکر کے ترجمانِ امین اور امت کے لیے راہ نما مفکر تھے۔

حضرت مولانا کی فکر کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ جذباتی نعروں یا وقتی ردِ عمل پر مبنی نہیں، بلکہ قرآنِ مجید، سنتِ نبوی ﷺ، اسلامی تاریخ اور عصری عالمی حالات کے عمیق اور ہمہ گیر مطالعے سے تشکیل پاتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو پوری شدت سے محسوس کرتے تھے کہ اسلام کو ایک زندہ، متحرک اور ہمہ گیر نظامِ حیات کے بجائے محض چند مذہبی رسوم اور شخصی عبادات تک محدود کر دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں امت اپنی اصل روح اور منصب سے غافل ہو چکی ہے۔ اسی غفلت کو وہ امت کے زوال کی بنیادی وجہ قرار دیتے ہیں۔

برصغیر کا فکری ماحول جس میں حضرت مولانا نے آنکھ کھولی، نہایت پیچیدہ اور متضاد تھا۔ ایک طرف مغربی استعمار اپنی فکری، تعلیمی اور تہذیبی بالادستی کے ذریعے ذہنوں کو مسخر کر رہا تھا، اور دوسری طرف مسلمان اپنے درخشاں ماضی کے باوجود حال میں شدید احساسِ کمتری اور فکری انتشار کا شکار تھے۔ ایسے ماحول میں حضرت مولانا نے امت کو یہ بنیادی نکتہ سمجھایا کہ مسلمانوں کی اصل پہچان نہ اقتدار ہے، نہ دولت، اور نہ ہی عددی قوت؛ بلکہ ان کی اصل شناخت دعوت، اخلاقی قیادت اور انسانی رہنمائی ہے۔ جب تک امت اس منصب کو نہیں پہچانے گی، اس کا احیاء ممکن نہیں۔

حضرت مولانا کی فکری تشکیل میں ندوۃ العلماء، لکھنؤ کا کردار مرکزی اور فیصلہ کن ہے۔ ندوہ نے انہیں روایتی دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری شعور، فکری وسعت اور بین الاقوامی تناظر عطا کیا۔ انہوں نے عربی زبان و ادب، تفسیر، حدیث اور اسلامی تاریخ میں گہری مہارت حاصل کی، اور ساتھ ہی مغربی فلسفہ، تہذیب اور تاریخ کا بھی سنجیدہ مطالعہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں مشرق و مغرب دونوں کا عالمانہ تجزیہ ملتا ہے، مگر فیصلہ ہمیشہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں ہوتا ہے۔

مولانا ندویؒ کے نزدیک امتِ مسلمہ کا زوال محض ایک سیاسی حادثہ نہیں بلکہ ایک طویل فکری، اخلاقی اور روحانی انحطاط کا نتیجہ ہے۔ وہ اس تصور کو سختی سے رد کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا عروج و زوال صرف عسکری یا معاشی طاقت سے وابستہ ہے۔ ان کے مطابق جب مسلمان نے اپنی روحانی قوت، اخلاقی کردار اور دعوتی فریضے کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے قیادت کا منصب واپس لے لیا۔ یہی فکر ان کی شہرۂ آفاق تصنیف **ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین** کا مرکزی نکتہ ہے۔

اس کتاب میں مولانا ندویؒ نے نہایت مدلل اور مؤثر انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے زوال سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت خسارے میں مبتلا ہوگئی۔ ان کے نزدیک اسلام نے دنیا کو جو اخلاقی توازن، عدلِ اجتماعی اور روحانی سمت عطا کی تھی، اس کا کوئی حقیقی متبادل جدید تہذیب فراہم نہ کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا مادی ترقی کے باوجود اخلاقی بحران، روحانی خلا اور انسانی بے معنویت کا شکار ہے۔

مولانا ندویؒ مغربی تہذیب کو نہ اندھا دھند رد کرتے ہیں اور نہ مرعوب ہو کر قبول کرتے ہیں، بلکہ اس کا منصفانہ اور عمیق تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ وہ مغرب کی سائنسی ترقی، تنظیمی صلاحیت اور تحقیقی مزاج کو تسلیم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی اس حقیقت کی نشان دہی بھی کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب نے انسان کو خدا سے کاٹ کر محض ایک مادی وجود بنا دیا ہے۔ اس خدا فراموشی کے نتیجے میں انسان سہولتوں سے تو مالا مال ہو گیا، مگر قلبی سکون، اخلاق اقدار اور خاندانی استحکام سے محروم ہو گیا۔

مولانا ندویؒ کے نزدیک عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فکری فتنہ سیکولرازم ہے، جو دین کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے اسے محض نجی معاملہ بنا دیتا ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ اسلام محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو فرد، معاشرہ، معیشت، سیاست اور اخلاق سب کی رہنمائی کرتا ہے۔ جب دین کو اجتماعی زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے تو عدل، امانت اور ذمہ داری جیسے اوصاف بھی معاشرے سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

دعوتِ دین مولانا ندویؒ کی فکر کا قلب و مرکز ہے۔ وہ امتِ مسلمہ کو ایک داعی امت قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی اصل ذمہ داری اللہ کے دین کو پوری انسانیت تک پہنچانا ہے۔ دعوت کے باب میں وہ تصادم، شدت اور نفرت کے بجائے حکمت، صبر، اخلاق اور محبت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک داعی کا کردار، اس کی زبان سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جو عصرِ حاضر میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

تعلیم کے میدان میں مولانا ندویؒ کی فکر نہایت متوازن اور دور رس ہے۔ وہ جدید اور دینی تعلیم کے درمیان تصادم کے قائل نہیں بلکہ ایسی جامع تعلیم کے حامی ہیں جو عقل کو علم سے اور دل کو ایمان سے منور کرے۔ ان کے نزدیک وہ تعلیم جو انسان کو خدا سے دور کر دے، چاہے کتنی ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، بالآخر انسانیت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

مولانا ندویؒ امتِ مسلمہ کی فرقہ واریت اور داخلی انتشار پر گہرا رنج رکھتے تھے۔ وہ اتحادِ امت کو محض سیاسی ضرورت نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک داخلی اختلافات نے امت کو کمزور کر دیا ہے اور دشمنوں کو غلبے کا موقع فراہم کیا ہے۔ بغیر فکری و روحانی اتحاد کے اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

روحانیت مولانا ندویؒ کی فکر کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی احیاء کا آغاز دل کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ محض نظام، قوانین اور نعروں سے کوئی حقیقی تبدیلی ممکن نہیں، جب تک انسان کے اندر خوفِ خدا، اخلاص اور اخلاق پیدا نہ ہو۔ مادہ پرستی کے اس دور میں ان کی روحانی فکر انسان کو اللہ سے جوڑنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک زندہ، آفاقی اور ہمہ گیر پیغام ہے۔ ان کے نزدیک اصل سوال یہ نہیں کہ دنیا اسلام کو قبول کرے گی یا نہیں، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ مسلمان خود اسلام کو کس حد تک اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرتے ہیں۔ یہی نقطۂ نظر ان کی فکر کو ہر دور میں تازہ، مؤثر اور رہنما بناتا ہے۔

حضرت مولانا کی فکر ماضی کی یادگار نہیں بلکہ حال اور مستقبل کی رہنمائی ہے۔ اگر امتِ مسلمہ واقعی اپنے فکری، اخلاقی اور تہذیبی بحران سے نکلنا چاہتی ہے تو اسے مولانا ندویؒ کے افکار کو سنجیدگی سے سمجھ کر اپنی زندگیوں میں نافذ کرنا ہوگا۔ اسی میں امت کی نجات اور انسانیت کی فلاح پوشیدہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر کا ایک نہایت اہم اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ اسلامی احیاء کو محض سیاسی اقتدار کی واپسی یا معاشی ترقی تک محدود نہیں کرتے، بلکہ اسے ایک ہمہ گیر اخلاقی، فکری اور روحانی انقلاب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی بیداری اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک فرد کا باطن، معاشرے کا مزاج اور امت کی اجتماعی سمت یکجا طور پر درست نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جزوی اصلاحات یا وقتی جوش کو امت کے مسائل کا مستقل حل نہیں سمجھتے، بلکہ ایک گہرے فکری شعور اور مسلسل اخلاقی تربیت پر زور دیتے ہیں۔

مولانا ندویؒ کے فکری نظام میں قرآنِ مجید کو مرکزی اور فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ وہ قرآن کو محض تلاوت یا ثواب کی کتاب نہیں بلکہ ایک زندہ دستورِ حیات سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے ساتھ اپنا عملی تعلق کمزور کر لیا ہے۔ وہ بار بار اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جب قرآن مسلمانوں کی قیادت کر رہا تھا تو وہ دنیا کے رہنما تھے، اور جب قرآن کو محض رسم اور برکت کی کتاب بنا دیا گیا تو مسلمان خود رہنمائی کے محتاج ہو گئے۔ یہ تجزیہ عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے ایک گہرا اور چونکا دینے والا پیغام رکھتا ہے۔

اسی طرح سیرتِ نبوی ﷺ مولانا ندویؒ کی فکر کا عملی نمونہ ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو ہر دور کے لیے ایک مکمل اور ہمہ گیر رہنمائی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سیرت نہ صرف عبادات بلکہ سیاست، معیشت، دعوت، اخلاق اور قیادت سب کے لیے رہنما اصول فراہم کرتی ہے۔ وہ مسلمانوں کو اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ سیرت کو محض تقریبات، نعت خوانی یا تاریخی واقعات تک محدود کرنا اس کے ساتھ ناانصافی ہے؛ اصل تقاضا یہ ہے کہ سیرت کو عملی

زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

مولانا ندویؒ اسلامی تحریکات کو امید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، مگر ساتھ ہی ان پر گہری تنقیدی نظر بھی رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تحریکیں علم، اخلاق اور روحانیت کے درمیان توازن برقرار نہ رکھیں تو وہ یا تو شدت پسندی کا شکار ہو جاتی ہیں یا محض سطحی سرگرمیوں تک محدود رہ جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک کامیاب اسلامی تحریک وہی ہے جو اقتدار کے بجائے اللہ کی رضا کو مقصد بنائے اور انسان کے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی بھی اصلاح کرے۔

مولانا ندویؒ کے فکری ورثے میں خود احتسابی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ امت کو ہمیشہ بیرونی سازشوں یا دشمنوں کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنی داخلی کمزوریوں پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے مطابق جب تک مسلمان اپنی کوتاہیوں کو تسلیم نہیں کریں گے، اس وقت تک اصلاح کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ یہ خود احتسابی ان کے نزدیک اسلامی بیداری کی پہلی سیڑھی اور حقیقی تبدیلی کی بنیاد ہے۔

عصرِ حاضر کے فکری انتشار میں مولانا ندویؒ یقین، اعتماد اور فکری خودمختاری کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ اسلامی فکر کسی بھی جدید فلسفے یا نظریے سے کمزور نہیں، بلکہ اخلاقی اور انسانی اعتبار سے کہیں زیادہ مضبوط اور متوازن ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان اگر اپنی فکری میراث پر علمی اعتماد حاصل کر لیں تو وہ نہ صرف مغربی فکری یلغار کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ دنیا کے سامنے ایک بہتر اور زیادہ انسانی متبادل بھی پیش کر سکتے ہیں۔

مولانا ندویؒ کی فکر میں امید ایک نمایاں عنصر ہے۔ وہ امت کے مستقبل کے بارے میں مایوسی کے قائل نہیں، بلکہ اس یقین کے حامل ہیں کہ اگر مسلمان اخلاص کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پہچان لیں تو اللہ کی مدد ضرور شاملِ حال ہوگی۔ ان کی یہ امید محض جذباتی خوش فہمی نہیں بلکہ قرآن و سنت پر گہرے ایمان اور تاریخِ امت کے شعور سے پیدا ہوتی ہے۔

مولانا ندویؒ نوجوان نسل کو امت کا سب سے قیمتی سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر نوجوان اپنی توانائی، علم اور صلاحیت کو دین اور انسانیت کی خدمت میں لگا دیں تو امتِ مسلمہ دوبارہ دنیا کی قیادت حاصل کر سکتی ہے۔ وہ نوجوانوں کو مادہ پرستانہ کامیابی کے محدود تصور سے نکال کر اعلیٰ مقصدِ حیات کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور انہیں احساس دلاتے ہیں کہ اصل کامیابی وہ ہے جو انسان کو خدا کے قریب کر دے۔

مولانا ندویؒ مسلم اقلیتوں کے مسائل پر بھی نہایت بصیرت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ وہ اقلیتی حالات میں رہنے والے مسلمانوں کو صبر، حکمت اور مثبت کردار کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقلیت میں رہتے ہوئے بھی مسلمان اپنے اخلاق، دیانت اور سماجی خدمت کے ذریعے اسلام کا بہترین تعارف پیش کر سکتے ہیں۔ یہ فکر برصغیر اور مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے خاص طور پر اہم اور عملی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

مولانا ندویؒ کے نزدیک جدید ٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ بذاتِ خود خیر یا شر نہیں، بلکہ ان کا استعمال اصل معیار ہے۔ اگر یہ ذرائع حق، اخلاق اور انسانیت کی خدمت کے لیے استعمال ہوں تو یہ دعوتِ دین کے مؤثر وسائل بن سکتے ہیں، اور اگر انہیں بے راہ روی اور اخلاقی بگاڑ کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ شدید نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ ڈیجیٹل دور میں ان کی یہ فکر غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکی ہے۔

ان تمام مباحث سے یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر کسی ایک دور، خطے یا مسئلے تک محدود نہیں، بلکہ ایک آفاقی اسلامی وژن پیش کرتی ہے۔ ان کی فکر میں ماضی کی حکمت، حال کا شعور اور مستقبل کی رہنمائی یکجا نظر آتی ہے۔ وہ امت کو نہ صرف اس کے مسائل کا ادراک کراتے ہیں بلکہ اس کے شایانِ شان حل بھی پیش کرتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں جب دنیا فکری تصادم، اخلاقی بحران اور روحانی خلا کا شکار ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر ایک مضبوط، متوازن اور قابلِ عمل متبادل فراہم کرتی ہے۔ ان کی فکر انسان کو خدا سے جوڑتی ہے، علم کو ذمہ داری سے ہم آہنگ کرتی ہے، اور طاقت کو اخلاق کا پابند بناتی ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی آج کی دنیا کو شدید ضرورت ہے۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہے کہ مولانا ندویؒ کی فکر محض ماضی کی یادگار نہیں بلکہ حال اور مستقبل کی رہنما ہے۔ اگر امتِ مسلمہ واقعی اپنے فکری، اخلاقی اور تہذیبی بحران سے نکلنا چاہتی ہے تو اسے مولانا ندویؒ کے افکار کو سنجیدگی سے سمجھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنا ہوگا۔ اسی میں امت کی نجات اور انسانیت کی فلاح پوشیدہ ہے۔

☆☆☆

آداب معاشرت

بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار

محمد اعظم شرقی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

دنیا اس وقت اپنی ترقی کی اوج پر ہے، ایجادات واکتشافات نے انسانی زندگی کو بے حد متاثر کردیا ہے، ہر میدان میں بجلی کی سی ترقی نے انسانی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے، نت نئی معلومات سے انسانی فکر وشعور بیدار ہوا، سوچ وفکر کے زاویے بدلے، بحث وتحقیق کی نئی راہیں کھلی، مشقت و کلفت سے معمور زندگی میں عیش وآرام وراحت کے وسائل میسر آئے۔ فطری اور نفسیاتی طور پہ انسان نے اپنی ترجیحات بدلیں، نئے آلات وسائل زندگی کو معیار زندگی بنا کر بہت سی تگ ودو اور مشقتوں سے ہم نے اپنے کو بچالیا، ایک طرف یہ ہے تو دوسری طرف ہماری موجودہ مغربی گلوبل کلچر کے بہاؤ میں اسلامی تہذیب، اخلاقی قدریں، روایات، سیرت وکردار، مزاج اور ماحول تعلیمی و تربیتی ادارے، گھر، خاندان، سماج، ماحول رو بہ زوال ہیں۔ الٹرا ماڈرن اور دور جدید کی خدا بےزار تہذیب نے مسلم نسل نو کو بری طرح متاثر کیا ہے، ملک وطن ہندوستان میں برسر اقتدار پارٹی ۲۰۱۴ نے اپنے مخصوص مشن اور مزاج کو تعلیم وتربیت کے راستہ سے تھوپنا شروع کردیا ہے، اسکولوں میں یوگا، سرسوتی پوجا، وندے ماترم، عریاں رقص، کلچرل پروگرام کے نام پر ڈانس اور گانے اور ڈی جے، ہندو آنہ عقائد، تہذیب جیسی چیزیں اقلیتوں پر تھوپنا شروع کردیا ہے۔ ماب لنچنگ میں مارے گئے تقریباً سبھی مسلمانوں سے شرکیہ نعرے لگوائے گئے تھے۔ اب تو پورے ملک میں ایک نظام اور ایک نصاب کی بات کی جارہی ہے۔

ہم کیسے ایسے ماحول میں رہ کر نسلوں کی تربیت کرسکتے ہیں، انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل، بچوں کے سیرت وکردار کے بنانے میں ایک ماں باپ کیا کردار ادا کرسکتے ہیں ہے؟ بچوں کی سیرت بنانے اور تعلیم وتربیت کے چند سال کو مفید و موثر ترین بنانے میں ماں باپ نے ذاتی طور پر کتنی کوششیں کی ہیں؟ یقیناً اس بھاگ دوڑ والی زندگی اور کثرت کار نے اس کا موقع والدین کو کم دیا کہ وہ اپنے جگر گوشوں اور نونہالوں پر توجہ مرکوز کریں۔ ہم مسلمانوں کو احتساب اور جائزہ کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ ہم عمل میں تجدید لاتے رہیں، خامیوں کی اصلاح کرتے رہیں، خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہیں اور ہر وقت جواب دہی (Accountibility) کا احساس سونے نہ دے اگر حرکت اور عمل ہے، جہد مسلسل ہے تو یہ زندگی کی علامت ہے اور خوش آئند بات ہے کہ اس کے افراد جاگے ہیں۔ اور پھر جب کے ایسے مسئلہ سے جس کا تعلق ہمارے دین، تہذیب، عقائد اور ایمانیات سے ہے اور آئندہ نسلوں کے ایمان پر باقی رہنے رکھنے سے ہے۔

اولاد ایک نعمت ہے، اگر اولاد صالح ہے تو ماں باپ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اولاد ایک ایسا عطیہ ہے اور قدرت کی ایسی نعمت ہے کہ جس کو مل جائے اسے اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے۔ اولاد کے سلسلے میں والدین کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ صحیح رہنما خطوط پہ بچوں کی تربیت کریں، پرورش سے لے کر کے اس کی تعلیم، اس کی صحت، خوراک، پوشاک، اعلی تعلیم وتجارت سے لے کر کے حتی کہ شادی تک کی اہم ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دیں۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم: ٦) (اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں ہر کوئی نگراں ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہے اور آدمی اپنے گھر کا ذمہ دار ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ (متفق علیہ)

نیز ترمذی شریف میں ایک اور فرمان رسول ﷺ نقل کیا گیا ہے کہ ”والدین کا بہترین عطیہ اولاد کی بہترین تعلیم وتربیت ہے“۔

ایک روایت ہے کہ ”جب کوئی دنیا سے جاتا ہے تو اس کا عمل دنیا میں ختم ہوجاتا ہے، لیکن تین قسم کے اعمال باقی رہتے ہیں: ١۔ صدقہ جاریہ، ٢۔ ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، ٣۔ صالح اولاد جو ماں باپ کے لئے دعائیں کرتی رہے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت اور احادیث نبوی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بچوں کی تعلیم وتربیت ایک لازمی، دینی وشرعی فریضہ ہے۔ اسلام نے دونوں کے حقوق والدین کا اولاد اور اولاد کا والدین کے اوپر حقوق کی مکمل شرح وبسیط کے ساری باتیں کرتا ہے اور ایک دوسرے کی ذمہ داریاں بتاتا ہے۔

والدین کو بچوں کی تربیت میں ان کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے اور ان کو ایسے اوصاف کا حامل بنانے میں پوری مدد کرنی چاہیے جو فطری طور پہ اللہ نے ان کے اندر ودیعت کی ہیں۔ اولاد کی تعلیم و تربیت خود والدین کے لئے دونوں جہاں میں سود مند ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کا اپنے بچوں کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے۔''

دوسری طرف بحیثیت مسلمان اور اسلام جو ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟

ایک بچہ سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے اور سامنا کرتا ہے، پرورش، پیار ومحبت، شفقت، تعلیم وتربیت یہ ساری چیزیں اس کو اپنے والدین سے ملتی ہیں، ماں باپ اس کے لئے آئیڈیل ہوتے ہیں۔ ہر بچہ جو مسلم گھرانے پیدا ہوتا ہے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جاتی ہے، اس طرح روز اول سے اس کی تعلیم شروع ہوجاتی ہے۔ یہاں پر ماں کی ذمہ داری ہے کہ لفظ ''اللہ'' بولنے کی مشق کرائے، ماہرین کہتے ہیں کہ تین دن کے اندر اندر بچہ ایک مخاطب کے خوشی اور غمی کے انداز پہچاننا شروع کردیتا ہے، اگر آپ سختی سے بات کریں گے یا خوشی سے تو وہ محسوس کرے گا۔ بچہ کا دماغ بھی اسی تیزی کے ساتھ کام کرنے لگتا ہے، اسی واسطہ شریعت نے سب سے پہلے یہ حکم دیا اس کے کان میں آذان دی جائے اور دوسرے میں اقامت، پہلے دن سے اس کے ذہن ودماغ میں اللہ کا نام جائے، بچہ کو دیکھ کر السلام علیکم کہے، وہ خوش ہو تو آپ بھی اسے دیکھ کر مسکرائیے، دعائیہ کلمات کو بار بار کہا جائے اور دہرایا جائے تاکہ آگے چل کر یہ چیز گھٹی میں پڑجائے۔

لہٰذا ماں کی گود ایک بچہ کا پہلا مکتب ہے، ماں کی حرکات وسکنات، اس کے اخلاق، خوشگواری وناخوشگواری، روزمرہ کی مشغولیات، اچھائی یا برائی گھر کا پرسکون یا پراگندہ ماحول یہ ساری چیزیں بچوں کے شعور وجدان پر مثبت یا منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔

☆☆☆

سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذہب کا نیا شاہکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین

تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث وامین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی وتالیفی زندگی کی حاصل، سرور دوعالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ ومزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر وبرکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب وعجم کے اہل نظر کی داد وتحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین (ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی- سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم- امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلوپیڈیا ہے، مشرق ومغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط وتفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ- استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایمان وعقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ (مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت، بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

پتہ **جامعہ بُک ڈپو** جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

فکر ونظر

صالح معاشرہ کے تشکیلی عناصر

محمد سعد ندوی (احمد نگر۔مہاراشٹر)

اسلام ایک آفاقی دین ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو روشنی بخشی ہے۔ یہ دین انسان کو اس کے رب سے جوڑنے کے ساتھ ساتھ اسے سماج کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ بننے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے جہاں بندے کو حقوق اللہ کا پابند بنایا ہے، وہیں حقوق العباد کی ادائیگی کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جامع حکم کے ذریعہ اسلامی معاشرت کا تعارف یوں کرایا ہے: ”إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ“ (النحل: ۹۰) یعنی اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل معاشرے کی بنیاد ہے اور احسان اس کا حسن۔ جب یہ دونوں اصول یکجا ہو جائیں تو ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جو روحانی بھی ہوتا ہے اور تہذیبی بھی، مضبوط بھی ہوتا ہے اور مہذب بھی۔

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا“ (الشمس: ۹) یعنی کامیاب وہی ہے جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔

دل کی اندرونی اصلاح وہ سرچشمہ ہے جس سے تمام اخلاقی خوبیاں پھوٹتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

”ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله“ یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے، اور وہ دل ہے۔

اسلام نے معاشرت کے ہر دروازے پر اخلاق کا پہرہ بٹھایا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: ”وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا“ (البقرہ: ۸۳) یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو۔

نرم لہجہ، شائستہ گفتگو اور مسکراہٹ کے ساتھ بات کرنا وہ اوصاف ہیں جن کے بغیر نہ دل جڑ سکتے ہیں اور نہ معاشرے مہربان بن سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ یعنی حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں۔ یوں گویا مسلمان کی شناخت اس کے نماز و روزے سے پہلے اس کے اخلاق، زبان اور معاملات سے ہوتی ہے۔ اسلام نے عدل کو صرف فرد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرتی اور بین الاقوامی سطح تک پھیلا دیا۔ قرآن کہتا ہے:

”كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ“ (النساء: ۱۳۵) یعنی اے ایمان والو! عدل پر مضبوطی سے قائم رہو، خواہ یہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

یہ وہ اصول ہے جو اسلامی معاشرے میں ظلم، اقرباء پروری، ناانصافی اور طاقت کے غلط استعمال کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ معاشرہ اسی وقت مضبوط ہوتا ہے جب طاقتور بھی قانون کے سامنے اسی طرح جھکے جیسے کمزور جھکتا ہے۔ اسلام ہمیں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا“ یعنی مومن، مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ معاشرے کی اصل قوت باہمی تعاون، خیر خواہی، برداشت اور ایثار میں پوشیدہ ہے۔ ایک مسلمان دوسرے کے لیے سہارا بنے، بوجھ نہ بنے؛ مرہم بنے، زخم نہ دے؛ باعثِ راحت ہو، سببِ زحمت نہ بنے۔

قرآن نے معاشرتی خیر کے لیے ایک بنیادی ہدایت یوں دی: ”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ“ (المائدہ: ۲) یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

یہ ہدایت امتِ مسلمہ کی اجتماعی وحدت کا نقطۂ آغاز ہے۔ اگر اختلافات پیدا ہوں تو محبت اور حکمت سے حل کیے جائیں، اور اگر دشمنیاں جنم لیں تو درگزر اور صبر کے ذریعے انہیں ختم کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّىٰ تَحَابُّوا“ یعنی تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان کامل نہ ہو، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔

اسلامی معاشرہ محض ظاہری قوانین سے وجود میں نہیں آتا بلکہ دلوں کی اصلاح اور اخلاق کے نور سے تشکیل پاتا ہے۔ جب دل اللہ سے جڑ جائیں، زبانیں سچ بولیں، ہاتھ ظلم سے رک جائیں، آنکھیں عبرت سے دیکھیں اور دل مخلوقِ خدا کی خیرخواہی سے لبریز ہو جائیں تو ایسے افراد ایک ایسی امت تشکیل دیتے ہیں جس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

اسی امت کے بارے میں فرمایا گیا: ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ“ یعنی تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

☆☆☆

دین وایمان

عقیدہ کو کمزور کرنے والے عوامل

محمد فہیم عبدالخالق ندوی (سہارن پور)

عصر حاضر محض سائنسی ترقی اور تکنیکی سہولیات کا دور نہیں، بلکہ یہ فکری کشمکش، اعتقادی اضطراب اور تہذیبی تصادم کا زمانہ بھی ہے۔ آج مسلمانوں کو جن چیلنجز کا سامنا ہے وہ صرف عسکری یا سیاسی نہیں، بلکہ زیادہ گہرے اور خطرناک فکری و اعتقادی ہیں۔ موجودہ دور کا مسلمان، بالخصوص نوجوان، ایک طرف خواہشات اور مادّیت کے دباؤ کا شکار ہے اور دوسری طرف فکری تشکیک (Skepticism) اور ذہنی انتشار سے دوچار ہے۔ ایسے میں ان عوامل کو جاننا ناگزیر ہو جاتا ہے جو خاموشی کے ساتھ اسلامی عقائد کی بنیادوں کو کمزور کر رہے ہیں۔

ان عوامل کو ذیل میں داخلی اور خارجی عنوانات کے تحت بیان کیا جارہا ہے۔

داخلی عناصر

اسلامی عقائد کی کمزوری کا ایک بنیادی سبب خود مسلمانوں کی دینی غفلت ہے۔ قرآن وسنت سے دوری، دینی شعور کی کمی اور سطحی مذہبی معلومات نے نوجوان نسل کو شکوک وشبہات کے لیے نرم ہدف بنادیا ہے۔

جب عقیدہ دلیل، فہم اور شعور کی بنیاد پر استوار نہ ہو تو وہ معمولی اعتراض سے بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ دوسرے، امت مسلمہ کا داخلی انتشار، مسلکی تعصب اور فرقہ وارانہ کشمکش اسلامی عقائد کے وقار کو شدید نقصان پہنچا رہی ہے۔ نوجوان جب دیکھتا ہے کہ دین کے نام پر ایک دوسرے کی تفسیق، تجہیر، تکفیر، تضحیک اور نفرت عام ہے۔ ترقی کے نام پر یا تو دین سے بے راہ روی یا پھر جمود وتعطل کو دیکھتا ہے تو وہ بعض اوقات پورے دینی بیانیے سے بدظن ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات دین سے فاصلہ اختیار کر لیتا ہے۔

اسی طرح جدید طرزِ زندگی کی تیز رفتاری، ذہنی دباؤ، مادّی دوڑ دھوپ اور عبادات سے غفلت نے دلوں کو سخت کر دیا ہے۔

جب حیا، خشیت الٰہی اور آخرت کا تصور کمزور پڑ جائے تو ایمان محض ایک شناخت بن کر رہ جاتا ہے، زندہ حقیقت اور زندہ دلی ختم ہو جاتی ہے۔ روحانی خلا کو اگر ایمان سے پُر نہ کیا جائے تو وہ لذت، نشہ یا الحاد سے پُر ہو جاتا ہے۔

خارجی عناصر

موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ الحاد ہے، جو براہِ راست مذہب سے نہیں بلکہ عقل اور سائنس کے نام پر حملہ آور ہے۔ یہ تصور عام کیا جارہا ہے کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کی ضد ہیں، وحی، غیب اور آخرت کو "ناقابلِ ثبوت" کہہ کر رد کیا جارہا ہے، اور محدود انسانی عقل کو وحی پر فوقیت دی جارہی ہے؛ حالانکہ اسلام عقل کا انکار نہیں کرتا بلکہ اسے وحی کی روشنی میں رہنمائی دیتا ہے۔

یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ الحاد کا نشانہ درحقیقت وہ مذہبی تصور ہے جو عقل سے ٹکراتا ہو، جبکہ اسلام کا خدا عقل کو چیلنج نہیں بلکہ مطمئن کرتا ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مغرب میں کلیسا کی طویل حکمرانی کے دوران عقل وتحقیق کے خلاف جو محاذ آرائیاں ہوئیں، فلسفہ اور سائنس کو بدعت قرار دے کر اہلِ علم کو سزائیں دی گئیں، اسی علم دشمنی کے ردِعمل میں مذہب بیزاری نے جنم لیا۔ اس کا اثر دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ اسلام میں بھی منتقل ہوا، حالانکہ اسلام اس تاریخی پس منظر کا حصہ نہیں تھا۔

افسوس کہ مسلمانوں کی طرف سے اسلام کی صحیح ترجمانی، قرآن وسنت کی درست تفہیم، اور عصری تقاضوں کے مطابق فکری رہنمائی میں کوتاہی نے اس فتنہ کو مزید تقویت دی۔

سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل یلغار

سوشل میڈیا معلومات کا سمندر ہے، مگر حکمت کا قحط ہے۔ غیر مستند مقررین اور یوٹیوبرز دین کی من مانی تشریحات، مغربی مفکرین کے ایجنڈے اور مستشرقین کے افکار پھیلا رہے ہیں۔ مختصر کلپس میں پیچیدہ اعتقادی مسائل کو مسخ کیا جاتا ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، اسلامی تاریخ پر سخت اعتراضات کھڑے کیے جاتے ہیں، ائمۂ مجتہدین کو متہم کیا جاتا ہے اور اہلِ حق علماء کی توہین وتضحیک کی جاتی ہے۔

ان تمام عوامل کے نتیجے میں نئی نسل کے دل و دماغ میں تشکیک پروان چڑھتی ہے۔ مزید برآں، سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلی فحاشی اور عریانیت نے شرم وحیا اور عفت وعصمت کو مجروح کر دیا ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ حیا کے زوال کے ساتھ ایمان بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

سوشل میڈیا کا الگورتھم نوجوان کو وہی مواد بار بار دکھاتا ہے جس سے وہ متاثر ہو، یوں شکوک ایک مسلسل سلسلے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مغرب زدگی، مادہ پرستی اور لبرل ازم، گلوبلائزیشن

کے نتیجے میں مغربی تہذیب کا غلبہ مسلم معاشروں پر نمایاں ہو چکا ہے۔

کامیابی کا معیار محض دولت، شہرت اور سماجی اسٹیٹس بن گیا ہے۔ آخرت، جواب دہی، قربِ الٰہی، خشوع وخضوع، تدین اور تفقہ فی الدین کا تصور بتدریج کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ لبرل ازم کے نام پر اسلامی احکام کو ''غیر عصری'' قرار دیا جا رہا ہے۔

یہ طرزِ فکر رفتہ رفتہ اس عقیدے کو مجروح کرتی ہے کہ اسلام ہر دور کے لیے قابلِ عمل نظام ہے۔

سیکولر نظامِ تعلیم

عصری تعلیمی اداروں میں اسلام کو محض ایک مضمون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ضابطۂ حیات کے طور پر نہیں۔ دین کو مسجد تک اور احکام کو عبادات تک محدود کر دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں علم اور ایمان کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو چکی ہے۔ اس خلا میں شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، اور ان کے ازالے کے لیے ایسے افراد سے رجوع کیا جاتا ہے جو خود فکری طور پر مغرب زدہ ہوتے ہیں۔

انتہا پسندی اور اسلام کی غلط تصویر دہشت گردی اور شدت پسندی نے اسلام کے پرامن، متوازن اور رحمت والے چہرے کو مسخ کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی نسل بعض اوقات اپنے دینی تشخص پر فخر کے بجائے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیتی ہے اور مغرب سے مرعوب ہو کر اسلام سے دور ہونے لگتی ہے۔

کئی مواقع پر منصوبہ بند انداز میں نوجوان نسل کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ عصری تعلیمی اداروں میں مشنری اور بعض نظریاتی اسکولوں کا اثر، مسلم تعلیمی اداروں کے قیام میں غفلت، مناسب دینی لٹریچر کی کمی، اور والدین کی عدم توجہ، یہ سب عوامل مل کر ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ دیندار گھرانوں میں بھی فکری طور پر متزلزل اور الحاد زدہ ذہنیت کے حامل بچے پروان چڑھ رہے ہیں۔ نتیجتاً مسلمان بچے مغربی اور علاقائی تہذیب کی کشمکش میں پس کر اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

خلاصہ اور راہِ عمل

موجودہ دور میں اسلامی عقائد کو کمزور کرنے والے عناصر کثیر الجہتی ہیں، اور ان کا مقابلہ محض جذبات یا نعروں سے ممکن نہیں۔ اس کے لیے علم، حکمت اور فہمِ عصر ناگزیر ہے۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا، سوالات کے جوابات اسی سے تلاش کرنا، علماء اور داعیان کا جدید فکری زبان اور نوجوانوں کی نفسیات کو سمجھنا، دینی وعصری علوم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا، اور بچوں کی تربیت میں والدین واساتذہ کا فعال کردار ادا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اسی طرح فرقہ واریت، شدت پسندی، مسلکی تعصب اور نسلی یا طبقاتی برتری سے اجتناب بھی ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (الرعد: ۱۱)

(بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدل لے)۔

اسلام ایک آفاقی، زندہ اور قابلِ عمل دین ہے، جس کے پاس ہر دور کے فکری چیلنجز کا جواب موجود ہے بشرطیکہ مسلمان اسے صحیح روح، علم اور حکمت کے ساتھ سمجھیں اور پیش کریں۔

☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی دارِ عرفات کی تازہ پیش کش

چند روز امریکہ میں

(سفر امریکہ کی مختصر روداد اور آٹھ روزہ قیام کے دوران کیے گئے خطابات کا مجموعہ)

(حضرت مولانا) بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

☆ امریکہ کے چار اہم شہروں؛ شکاگو، سیاٹل، نیویارک اور فلوریڈا کی مختصر رودادِ سفر!

☆ امریکہ کے موجودہ حالات اور وہاں کی داخلی وخارجی پالیسی کا منصفانہ تجزیہ!

☆ امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی محبوبیت اور داعیانِ اسلام کی محنتوں کا تذکرہ!

☆ بارہ اہم اور درد انگیز خطابات نیز ایک فکری انٹرویو کا مجموعہ!

صفحات: 192 قیمت: 160

رابطہ: مولانا محمد ایوب صاحب ندوی (9919331295)

سید احمد شہید اکیڈمی، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

روح پرور

ماہِ مبارک: تزکیۂ نفس کا ہمہ گیر نظام

محمد جاوید اختر ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

رمضان اسلامی سال کا سب سے بابرکت، قرآن مجید کے نزول، رحمت وبرکت، مغفرت اور جہنم سے نجات کا مہینہ ہے، جس میں مسلمانوں پر روزے فرض کیے گئے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں ہے، یہ محض بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں؛ بلکہ یہ ایک جامع عبادت ہے جو انسان کی روحانی، اخلاقی، سماجی اور جسمانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

قرآن کریم نے روزہ کے مقاصد اور اس کے اغراض تین مختصر جملوں میں بیان فرمائے ہیں:

۱-مسلمان اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی عظمت کا اظہار کریں۔

۲-ہدایت الٰہی ملنے پر خدائے کریم کا شکر بجا لائیں کہ اس نے پستی وذلت کے عمیق غار سے نکال کر رفعت وعزت کے اوجِ کمال تک پہنچایا۔

۳-مسلمان پرہیزگار بنیں اور ان میں تقویٰ پیدا ہو۔

رمضان المبارک کے روزے دو ہجری میں فرض کیے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ۹ رسال رمضان المبارک کے روزے رکھے۔

ایک متفق علیہ حدیثِ قدسی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ رب العزت فرماتا ہے: آدمی کے ہر اچھے عمل کا بدلہ دس سے ستر گنا تک بڑھا کر دیا جاتا ہے مگر روزے کا معاملہ الگ ہے، وہ خالص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا، بندے نے میری رضا کی خاطر اپنی خواہشات اور کھانے پینے کا عمل چھوڑ دیا، روزے دار کو دو مسرتوں کی بشارت ہے، ایک وہ جو روزہ کھلنے کے وقت اسے حاصل ہوتی ہے، اور دوسری اسے اس روز ملے گی، جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

روزے دار کے منہ سے آنے والی بو اور بساند خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی محبوب تر ہے اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو وہ شور وغل، ہنگامہ آرائی اور بے حیائی کے سارے کام سے مجتنب رہے۔ اگر کوئی اس کو گالی گلوچ بھی دے یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو وہ جواب میں کہے: ”أنا صائم“ یعنی میں روزے سے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت امام بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے جس کے مطابق روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے حق میں روزِ محشر سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے تیرے اس بندہ کو کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس کی تسکین سے روکے رکھا تھا، آج میں اس کے حق میں شفاعت کرتا ہوں، تو اسے قبول فرمالے، اسی طرح قرآن بھی عرض کرے گا کہ پروردگار! میں نے تیرے اس بندہ کو رات کے وقت نیند اور استراحت سے روکے رکھا تھا، اس کے حق میں میری سفارش کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ اور اللہ رب العزت، روزے اور قرآن کی سفارش اپنے بندہ کے حق میں قبول فرمالے گا۔

ہر کلمہ گو کو سوچنا چاہیے کہ روزہ اور قرآن جس کے حق میں شفاعت کریں گے، اس کا مقام کتنا بلند ہے، اور خدانخواستہ جن کے خلاف ان کی گواہی ہوگی، وہ کس قدر بدنصیب اور محروم ہوں گے۔

رمضان کا روزہ تو فرض ہے جبکہ قیام اللیل سنت مؤکدہ، اور بعض ائمہ کے نزدیک واجب کے درجہ میں شامل ہے۔ قیام اللیل کا عمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ کو اتنا پسندیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے اس کی فرضیت کا اندیشہ ہوا اور خیال گزرا کہ امت کے لیے کہیں یہ مشقت نہ بن جائے۔ ہر چند کہ اسے فرض قرار نہیں دیا گیا مگر اس کا اجر فرض کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی لیے روزہ دار دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قیام اللیل کی فضیلت کو جانتے ہوئے رات میں نمازِ تراویح ادا کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق امام بخاری ومسلم نے بیان کیا ہے کہ جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ روزہ رکھے گا، اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کرے گا، اس کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

روزہ فرض ہے اور تراویح سنت، مگر انعام دونوں کا یکساں ہے۔ یہ اللہ رب العالمین کا اپنے بندوں کے ساتھ احسان اور محبت کا معاملہ ہے۔

احتساب کا مطلب یہ ہے کہ صیام وقیام میں خالص اللہ کی رضا اور اجرِ آخرت مطلوب ہو اور ان تمام غلط کاموں سے صیام وقیام کو پاک رکھا جائے جو اللہ کو ناپسند اور قیام وصیام کی روح کے منافی ہیں۔ گویا جس صیام وقیام کے بدلے اتنا بڑا انعام بتایا گیا ہے وہ پوری روح کے ساتھ جلوہ گر ہوگا تو بندہ اس بشارت کا مستحق قرار پائے گا۔ محض مشقت اور چند حرکات اس کے لیے کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ماہِ صیام کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مبارک ماہ کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

نام کتاب: متاعِ رمضان
از: محمد قمر الزماں ندوی

محترم جناب محمد قمر الزماں صاحب ایک رواں اور شگفتہ قلم کے مالک ہیں۔ دینی، علمی و، سماجی اور اصلاحی موضوعات پر ان کی تحریریں کثرت سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے ان کا معمول رہا ہے کہ وہ سید الشہور رمضان المبارک کے ایام میں دیگر تمام موضوعات سے کنارہ کش ہوکر صرف 'رمضان' کے حوالہ سے "آج کا پیغام" کے عنوان کے تحت ایک یومیہ کالم لکھتے آئے ہیں، جو نہایت مفید اور مؤثر ثابت ہوئے۔ ان کی تاثیر اور افادیت کو دیکھتے ہوئے جناب مفتی محمد توصیف قاسمی صاحب (سب ایڈیٹر 'بصیرت' اون لائن) نے حوالہ جات سے مزین کرتے ہوئے ان کو عمدہ ترتیب کے ساتھ یکجا کردیا، اور اب یہ مضامین کا مجموعہ 'متاعِ رمضان' کا عنوان لیے 'مولانا علاؤ الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ' سے شائع ہوکر ہمارے دستِ مطالعہ میں ہے۔

'متاعِ رمضان' میں شامل مضامین کی تحریر کا مقصد رمضان و اعمالِ رمضان کا سودا افرادِ امت کے دل و دماغ میں بسانا ہے۔ اس میں قاری کے لیے مختلف پہلوؤں سے 'رمضانی موضوع' کو پیش کیا گیا ہے۔ روزہ کیا ہے، اس کے کیا اعمال ہیں، کیا اجر وثواب ہے، کیا طبی فوائد ہیں، کن قوموں میں رائج ہے، اسی طرح دینِ اسلام میں ماہِ رمضان کی کیا فضیلت ہے، اس کی تیاری کیسے ہونی چاہیے، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کیسے اس کے لیے اپنے شوق کا اظہار فرماتے تھے، اللہ رب العزت کی طرف سے اس ماہ میں اپنے بندوں کے لیے کیا پیغام ہے، کس طرح یہ ماہِ مبارک اللہ تعالی کی طرف نازل ہونے والی برکتوں، رحمتوں، شفقتوں اور عنایتوں کے جلووں اور تابانیوں کا خاص مہینہ ہے، شبِ قدر کیا ہے، عید کسے کہتے ہیں، اس کے احکام کیا ہیں، صدقۂ فطر کیا اور کتنا ہے؟ ۔ یہ سب اس ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب میں مختلف عناوین کے تحت قاری کو عام فہم اسلوب میں مل جائے گا۔

حقیقت میں رمضان کی آمد سے قبل 'متاعِ رمضان' سے موسوم یہ کتاب افرادِ امت کے لیے ایک تحفہ سے کم نہیں، بالخصوص مساجد کے ائمہ اور منابر کے خطباء اس کو اپنے 'رمضانی نصاب' میں شامل کرکے خوب فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

حاصل کرنے کے لیے بھاگلپور، بہار کے علاوہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے قریبی کتب خانوں پر خرید کے لیے دستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۵۰۶۶۰۰۷۲۵

نام کتاب: فقہی سوال وجواب
از: مفتی محمد طارق ندویؒ
ترتیب وتحقیق: محمد زبیر احمد ندوی

مفتی محمد طارق صاحب ندوی رحمہ اللہ' ندوۃ العلماء کا شمار ندوۃ العلماء کے قابل فرزندوں میں ہوتا ہے، مولانا مرحوم کو اللہ تعالی نے گونا گوں صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، وہ ایک بہترین مقرر، جید عالمِ دین، مخلص داعی اور سماجی خادم تھے، اور انھوں نے اپنی ان صلاحیتوں سے دین وملت کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ ان صفات کے علاوہ وہ قابل مفتی بھی تھے، اور دارالافتاء ندوۃ العلماء کے ایک اہم رکن۔ اسی کے باوصف انھوں نے "تعمیرِ حیات" میں "سوال وجواب" کے عنوان سے فقہ وفتاوی کا اک سلسلہ شروع کیا تھا، جو ان کے انتقال کے بعد ندوہ کے ایک اور فاضل جناب مفتی محمد ظفر عالم ندوی صاحب کے حصہ میں آیا۔ یہ سلسلہ اپنے امتیازات کے ساتھ ہنوز جاری ہے۔

مفتی محمد طارق صاحبؒ نے ایک طویل عرصہ 'تعمیرِ حیات' میں یہ کالم رقم کیا، وہ مختلف دینی مسائل پر اپنی رائے دینے کے بعد اپنے دور میں دارالافتاء ندوۃ العلماء کی دو عظیم شخصیت حضرت مولانا ناصر علی ندوی اور مفتی محمد ظہور ندوی رحمہما اللہ سے 'نظرِ ثانی' کرالیتے تھے، جس سے ان کے فتاوی کے استناد و اعتبار میں اضافہ ہوجاتا تھا۔ اس کالم کے ذریعہ دیے گئے ان کے فتاوی میں اتنا تنوع تھا، اور وہ تعداد میں اتنے تھے کہ ان کو جب اکٹھا کیا گیا تو لگ بھگ تین سو صفحات کی ایک کتاب تیار ہوگئی، اور یہ کام ان کے قابل شاگرد اور داماد، دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ جناب محمد زبیر احمد ندوی نے انجام دیا، اور موزوں عناوین کے تحت اچھی ترتیب قائم کرکے عمدہ طباعت کے ساتھ 'الطارق اسلامک سینٹر' کلیانپور لکھنؤ سے اس کو شائع کیا۔

مولانا مرحوم نے خاصی مدت اس کالم کے ساتھ 'تعمیرِ حیات' میں تحریری شرکت کی، اور ان کا یہ کالم مقبولِ خاص وعام ہوا۔ ان کے اس کالم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے جوابات مختصر

ہونے کے ساتھ واضح ہوتے تھے، نہایت جامع عبارت میں وہ بلاغت کے ساتھ کافی و شافی جواب تحریر کرتے تھے، جو ان کے علم کی گہرائی اور زبان دانی کی بین دلیل ہے۔

جہاں تک موضوعات کا سوال ہے تو مولانا مرحوم کے اس مجموعہ فتاوی میں عقائد و ایمانیات سے لے کر دین کے باقی ارکان۔نماز، روزہ، زکوۃ اور حج، وراثت، نکاح وطلاق، خلع وعدت، ولیمہ، قسم، نذر ومنت، سود، جنازہ، قبر وقبرستان، لباس، اکل وشرب، بدعات و رسومات، معاشرت اور تجارت وغیرہ کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ضمنی وفروعی مسائل کا بھی خاصا احاطہ کیا گیا ہے۔

اگر اسلوب کی بات کریں تو عقائد کے باب میں مولانا مرحوم کا اسلوب عام دیگر موضوعات کے مقابلہ میں بے رو رعایت کا ہے۔ انھوں نے اس باب میں سخت انداز میں کفریہ، شرکیہ اور ملحدانہ خیالات وافکار اور اعمال وتصرفات پر نکیر کی ہے، اور لہجہ دوٹوک رکھا ہے۔ ’بدعات و رسومات‘ کے باب میں مولانا کا انداز یہ ہے کہ اختصار کے باوجود بدعت کے رد میں سنت کا حوالہ دیتے ہیں۔ باقی موضوعات میں انتہائی معتدل اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اور مجموعی طور پر فقہ وفتاوی میں ندوی مکتبِ فکر کی بہترین ترجمانی کی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مولانا مرحوم کے لیے یہ کتاب بہترین صدقۂ جاریہ ثابت ہوگی، اور عوام کے ساتھ اہل علم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

رابطہ کے لیے: ۸۹۴۸۰۵۳۱۰۴

نام کتاب: معدنیات کے احکام ومسائل

از: محمد حسان مقصود رحمانی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح روئے زمین کے اوپر انسان کی منفعت کے لیے بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں، اسی طرح زیرِ زمین بھی بہت سی چیزیں رکھی ہیں، جن سے انسان کسی نہ شکل میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ زیرِ زمین یا پہاڑوں کے بطن اور سمندر کی تہوں میں موجود چیزوں کے لیے ہم ’معدنیات‘ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو جامد شکل میں ہیں، اور بہت سی ایسی بھی جو سیال ہیں، بعض ایسی بھی ہیں جو ثمنیت وقیمت یا کرنسی کے حکم میں آتی ہیں، اور بعض ایسی بھی جو مال ودولت یا جاگیر کے زمرہ میں آتی ہیں، کچھ کا تعلق خورد ونوش سے ہے تو کچھ کو انسان دیگر مصارف میں استعمال کر سکتا ہے۔ غرض ہر ایک کے ساتھ شریعت کا حکم وابستہ ہے، اور حلت وحرمت کی نسبت ہر ایک کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

عام طور پر لوگوں میں، یہاں تک کہ بہت سے اہلِ علم کو بھی ’معدنیات‘ کے حوالہ سے بہت کم آگہی ہوتی ہے۔ معدنیات کتنی قسم کی ہیں، ہر قسم کی ماہیت وحقیقت کیا ہے، بالعموم لوگ ان کے بارہ میں نہیں جانتے، اور رہی بات ان کے احکام و مسائل کی تو ان کے بارہ میں اہلِ علم بھی خال خال ہی مکمل طور پر جانتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے جناب محمد حسان مقصود رحمانی صاحب کی جو تالیف ہے، وہ معدنیات اور ان کے احکام ومسائل سے ہی تعلق رکھتی ہے، انھوں نے یہ کام فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کے زیرِ نگرانی انجام دیا ہے، اور مولانا مدظلہ کے ہی ادارہ ’المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد‘ نے اس کو شائع بھی کیا ہے۔

اردو میں کوئی کتاب پہلی بار ہماری نظر میں آئی ہے جو صرف ’معدنیات کے احکام ومسائل‘ پر تحریر کی گئی ہو، اور اس میں اس طرح اس موضوع کا احاطہ کیا گیا ہو کہ معدنیات کی تعریف، ان کی اقسام، ان کے احکام، یہاں تک ضمنی مسائل کو بھی شاملِ تحریر کیا گیا ہو، اور پھر ان کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف کا بھی جائزہ لیا گیا ہو۔ اس کے جلی عناوین پر ایک نظر ڈالیں تو شاید بات اور واضح ہوجائے۔

سب سے پہلے معدنی اشیاء کا تعارف پیش کیا گیا ہے، جن میں پانی، پٹرول، ڈیزل، سونا، چاندی، پیتل، جست، المونیم، سلیکان، لوہا، کوئلہ، نمک، سرمہ، چونا، پتھر، تانبا، اسٹیل، مٹی کا تیل، پارہ، سیسہ، ہیرا، یاقوت، گیس وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے بعد ’معدنیات کی اقسام‘ کے جلی عنوان کے تحت ’معدنیات کی ملکیت‘، ’معدنیات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق‘، ’دار الحرب میں معدنیات کا حکم‘ اور ’معدنیات کی زکوۃ‘ وغیرہ ذیلی عناوین پر بحث کی گئی ہے۔

آگے چلیں تو ’سمندری معادن کے احکام و مسائل‘، ’معدنیات کے خصوصی احکام‘، ’قابلِ خورد ونوش معدنیات‘، ’نمک سے متعلق شرعی احکام و مسائل‘، ’سیال معادن‘ وغیرہ جلی عنوانات کے تحت متعلقہ مسائل میں شرعی نکتۂ نظر سے تشفی بخش اسلوب میں فقہی آراء کو پیش کیا گیا ہے۔ خاص طور پر سونا اور چاندی سے متعلق اچھی خاصی تفصیلات و احکام بیان کیے گئے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب اپنے خاص موضوع، اسلوبِ عرض، اور احاطہ واستیعاب کے لحاظ سے ہر مفتی اور دار الافتاء کی ضرورت کی کتاب ہے۔ کل صفحات ۱۷۵ ہیں، کتابت و طباعت عمدہ ہے۔

حاصل کرنے کے لیے پتہ درج کیا جاتا ہے:

المعہد العالی الاسلامی، قبا کالونی، پہاڑی شریف، حیدرآباد

☆☆☆

تحفۂ ربانی

رمضان المبارک - ایک روحانی تحفہ

محمد نفیس خان ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ زمان و مکان کی ظاہری قید سے بلند ایک ایسا روحانی مظہر ہے جو انسان کو اس کے باطن سے آشنا کرتا ہے۔ یہ مہینہ محض ایام کی گردش یا دنوں کی گنتی نہیں بلکہ ایک فکری، اخلاقی اور روحانی سفر ہے، ایک ایسا سفر جس میں دل کی ویران سرزمین پر رحمت الٰہی کی بارش برستی ہے اور ایمان و اخلاق کی سوئی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

یہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں بندۂ مؤمن کا دل تقویٰ کے نور سے منور اور اس کی ہر سانس اطاعت و بندگی کی خوشبو سے معطر ہو اٹھتی ہے، اور اس کی ذات اللہ کی طرف رجوع و انابت کا ایک حسین پیکر بن جاتی ہے۔

اس ماہ میں انسان اپنی ذات کے شور و ہنگامہ سے نکل کر رب کائنات کی بارگاہ میں سراپا نیاز و التجا بن کر حاضر ہوتا ہے، ایسی حضوری جس میں احتساب نفس کی سختی بھی شامل ہے اور بخشش و مغفرت کی جگمگاتی امید بھی!

رمضان المبارک رحمتوں کا موسم بہار ہے؛ جیسے خشک زمین پر موسلا دھار بارش برستی ہے تو مردہ دلوں میں حیاتِ تازہ پھوٹ پڑتی ہے، گناہوں کی راکھ اڑ جاتی ہے اور اعمال کی سرسبزی چھا جاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ"۔

یعنی جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمتوں کا مظہر ہے، جو بندوں کو گناہوں کی گندگی اور بداعمالیوں کی آلائش سے پاک کرنے اور تقویٰ کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں۔

رمضان کا مہینہ بندہ کو اس کی اصل فطرت سے رُوبرو کراتا ہے کہ وہ نہ خواہشات کا اسیر ہے اور نہ شہوت کا بے لگام جانور، بلکہ وہ ایک بامقصد اور باوقار وجود ہے۔ ایک ایسا قالب ہے جس میں ایک حساس دل دھڑکتا ہے اور ایک بیدار روح سانس لیتی ہے، جسے خدائی امانت کا امین بنایا گیا ہے۔

یہ مہینہ سرکش و بے لگام نفس پر ضبط کی لگام ڈالنے اور روح کی باگ خدا کے سپرد کرنے کا ہنر سکھاتا ہے؛ جہاں بندہ اپنے ظاہری اعمال ہی نہیں بلکہ اپنے باطنی احساسات ورجحانات کا بھی محاسبہ کرتا ہے۔

اس کے دن صبر و ضبط کی روشن علامت۔ اس کی راتیں ذکر و فکر کی خاموش سرگوشیاں۔ سحر کی ساعتوں میں اٹھنے والی آہیں۔ افطار کے وقت بہنے والے آنسو۔ اور نمازوں میں جھکتے ہوئے سجدے۔ یہ سب مل کر دل کے اندر ایک نئی دنیا آباد کر دیتے ہیں، جہاں تکبر پگھل جاتا ہے، انا ٹوٹ جاتی ہے اور بندہ اپنی کامل محتاجی کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔

روزے کے ایام میں ایک بندہ یقیناً بھوکا اور پیاسا رہتا ہے، پیاس کی شدت سے اس کا حلق سوکھ جاتا ہوگا اور بھوک کی سختی سے اس کی آنتیں لپٹ بھی جاتی ہوں گی، لیکن خدا کے نزدیک اس جسمانی تکلیف کی کوئی اہمیت نہیں اگر اس کے دل و دماغ میں ایمان کا نور اور احتسابِ نفس کی کیفیت موجود نہ ہو، کیونکہ رمضان کے روزے بھوک اور پیاس کی مشق نہیں، بلکہ نفس کی تربیت، دل کی پاکیزگی اور روح کی بلندی کا مؤثر ذریعہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ روزہ صرف جسم کو بھوکا رکھنے کا نام نہیں، بلکہ زبان، آنکھ، کان اور دل سمیت تمام اعضاء کو گناہوں سے روکنے کی جامع تربیت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا:

"مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ"۔

یعنی جو شخص جھوٹ بولنا، جھوٹے کام کرنا اور جہالت نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ کر بھوکا پیاسا رہے۔

"كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَالْعَطَشُ" یعنی کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے ایک ایسا نورانی تحفہ ہے جو وقتی طور پر نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے دلوں کو بدل دینے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ مہینہ رخصت ہونے لگتا ہے تو دل میں ایک عجیب سی بے کلی، ایک خاموش سی کسک اور ایک میٹھی سی اداسی اتر آتی ہے؛ گویا کوئی محبوب مہمان دل کے آنگن سے اٹھ کر جا رہا ہو۔ مگر رمضان کا جانا دراصل اختتام نہیں بلکہ آغاز ہوتا ہے۔ ایک نئی زندگی کا آغاز، جس میں دل زیادہ نرم، ضمیر زیادہ بیدار اور نگاہ زیادہ پاکیزہ ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

فقہی مسائل

سوال وجواب

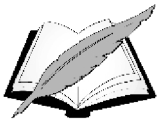

مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

سوال: ایک شخص مریض ہے، ڈاکٹر نے اسے کہا کہ دن میں دوا لینا ضروری ہے، تو ایسے شخص کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی مسلمان دیندار ماہر ڈاکٹر یہ فیصلہ کرے کہ اگر دن میں دوا نہ لے گا تو مرض شدید ہوجائے گا، تو ایسے شخص کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد قضا ضروری ہے۔ [الفتاوی الہندیہ:۱/۲۰۷]

سوال: روزہ کی حالت میں خون دینے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

جواب: روزہ کی حالت میں خون دینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ہاں ایسی کمزوری کا خطرہ ہے کہ روزہ کی طاقت باقی نہ رہے گی تو مکروہ ہے۔
[کتاب الفتاویٰ ۳/۳۰۰]

سوال: کیا روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈال سکتے ہیں؟

جواب: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔
[الفتاوی الہندیہ:۱/۲۰۳]

سوال: روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کا استعمال حلق میں اثرات جانے کے شک کی وجہ سے مکروہ ہے، اگر حلق میں ٹوتھ پیسٹ جائے گا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ [شامی:۲/۲۱۶]

سوال: روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا کیا روزہ کو فاسد کرتا ہے؟

جواب: جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا اور جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے، اس سے بچنا تمام مسلمانوں پر لازم ہے ورنہ آخرت میں سخت عذاب ہوگا، البتہ اس سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا، مکروہ ضرور ہوجاتا ہے۔ [شامی:۲/۴۱۲]

سوال: روزہ کی حالت میں جسم پر وِکس لگانا کیسا ہے؟

جواب: روزہ کے دوران جسم کے بیرونی حصہ میں وِکس لگانا جائز ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ گرم پانی میں وِکس ڈال کر بھانپ لینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ [شامی:۲/۳۹۵]

سوال: کیا خواتین روزہ کی حالت میں ہونٹوں پر سرخی لگاسکتی ہیں؟

جواب: خواتین کا روزہ کی حالت میں ہونٹوں پر سرخی لگانا جائز ہے، البتہ اگر سرخی منہ کے اندر جانے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے۔
[احسن الفتاوی ۳/۳۲۴]

سوال: روزہ کی حالت میں تمبا کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: تمبا کو استعمال کرنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔
[شامی ۲/۳۹۵]

سوال: روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا جائز ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
[شامی:۲/۳۹۵]

سوال: اگر دانت میں شدید درد ہو تو کیا روزہ کی حالت میں دانت نکلوا سکتے ہیں؟

جواب: روزہ کی حالت میں شدید ضرورت کے تحت دانت نکلوانا جائز ہے، بلا ضرورت نکلوانا مکروہ ہے، اگر خون یا دوا پیٹ کے اندر چلی جائے اور تھوک پر غالب یا اس کے برابر ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔
[شامی:۲/۳۹۶]

سوال: ماہ رمضان میں مسلمان عام طور پر روزہ کی نیت ان الفاظ سے کرتے ہیں: **نویت أن أصوم غداً للہ تعالی من صوم رمضان**، یا ان سے ملتے جلتے الفاظ بعض علماء بھی استعمال کرتے ہیں اور عوام بھی، سوال یہ ہے کہ کیا نیت کے لیے الفاظ نیت زبان سے کہنا ضروری ہے یا اس کا مفہوم ادا کردینا بھی کافی ہے؟

جواب: نیت دل کے ارادہ کا نام ہے نہ کہ زبان سے کہے ہوئے الفاظ کا، مزید اطمینان اور ذہن کے استحضار کے لیے زبان سے نیت کے الفاظ کہے جاتے ہیں جو بہتر ہیں، ضروری نہیں۔ تاہم سوال میں ذکر کیے گئے الفاظ روزہ کی نیت کی خاطر زبان سے کہے تو یہ کافی ہے۔

سوال: بحالت روزہ کسی بیماری کی وجہ سے روزہ دار کو مجبوراً پانی پینا پڑے تو صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟

جواب: بیماری یا کسی شرعی ضرورت کے پیش نظر روزہ توڑنا پڑے تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

[الفتاوی الہندیہ:۱/۲۰۷]

☆☆☆

اہلِ خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے جن اساتذہ و محصلین کو جس شہر یا علاقہ میں بھیجا جارہا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے، اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

(مولانا) فخر الحسن خان ندوی
ناظر شعبۂ تعمیر وترقی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	موبائل نمبر	عہدہ	علاقہ
۱	قاری فضل الرحمن صاحب ندوی	9919490477	استاذ شعبۂ حفظ	ممبئی
۲	حافظ عبد الواسع صاحب	9307884504	استاذ شعبۂ حفظ	دھولیہ، مالیگاؤں، بھیونڈی، ممبئی
۳	مولانا محمد اسماعیل صاحب ندوی	8604346170	استاذ معہد (مہپت مئو)	ممبئی
۴	مولانا عبد الوکیل صاحب ندوی	9889840219	کارکن شعبۂ اصلاح معاشرہ	ممبئی
۵	مولانا عبد اللہ صاحب ندوی	7499569301	محرر دفتر اہتمام	ممبئی، نیو ممبئی
۶	مولانا محمد اسلم صاحب مظاہری مولانا محمد عرفان صاحب ندوی	9935219730 7505873005	استاذ دار العلوم استاذ معہد دار العلوم (سکروری)	مدراس، وجے واڑہ
۷	مولانا شمیم احمد صاحب ندوی	9935987423	استاذ دار العلوم	حیدرآباد، نظام آباد، ناندیڑ
۸	مولانا انیس احمد صاحب ندوی مولانا شعیب احسن صاحب ندوی	9450573107 8960456786	استاذ دار العلوم استاذ دار العلوم	بھٹکل، شموگہ، ٹمکور، منکی، مرڈیشور
۹	مولانا رشید احمد صاحب ندوی مولانا زہیر احسن صاحب ندوی	7795864313 7355595278	استاذ دار العلوم استاذ معہد دار العلوم (سکروری)	بنگلور، میسور
۱۰	مولانا مفتی محمد مستقیم صاحب ندوی مولانا فخر الدین طیب صاحب ندوی	9889096140 9919917318	استاذ دار العلوم استاذ دار العلوم	آسنسول، کلکتہ، ۲۴ر پرگنہ
۱۱	قاری عبد اللہ خاں صاحب ندوی	9839748267	استاذ شعبۂ قرأت دار العلوم	دہلی
۱۲	مولانا مسعود احمد صاحب ندوی	9795715987	استاذ معہد دار العلوم (سکروری)	کانپور
۱۳	مولانا شکیل احمد صاحب ندوی	9305418153	محرر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی	الٰہ آباد
۱۴	مولانا محمد امجد صاحب ندوی	9616514320	استاذ دار العلوم	سنبھل و اطراف
۱۵	مولانا جمال احمد صاحب ندوی	9450784350	کارکن شعبۂ دعوت و ارشاد	کلکتہ، حیدر گڈھ، مغل سرائے، سلطانپور و اطراف
۱۶	مولانا محمد نسیم صاحب ندوی	9670049411	استاذ معہد (مہپت مئو)	کانپور، سندیلہ، غوث گنج، شاہجہانپور
۱۷	مولانا محمد امتیاز صاحب ندوی	9984070892	استاذ معہد (مہپت مئو)	لکھنؤ (شہر)
۱۸	مولانا محمد اسلم صاحب ندوی	9956223293	استاذ معہد دار العلوم (سکروری)	پٹن و اطراف گجرات

۱۹	مولانا نثار احمد صاحب ندوی	7007504546	محصل شعبہ	رامپور، امروہہ، مرادآباد، بارہ بنکی، ایودھیا، پورنیہ
۲۰	مولانا محمد شرف الدین صاحب ندوی	9936740835	محصل شعبہ	راجستھان، کانپور
۲۱	قاری ماجد علی صاحب ندوی	9935626993 9044088886	محصل شعبہ	سیتاپور، اندور، اجین، بھوپال
۲۲	مولانا ساجد علی صاحب ندوی	8400015009 9696954194	محصل شعبہ	گوا، کرناٹک کے اضلاع، آمبور، غازی آباد
۲۳	مولانا علیم اللہ صاحب ندوی	9721413704	محصل شعبہ	بستی، ممبئی
۲۴	مولانا محمد رضوان صاحب قاسمی	7250655682	محصل شعبہ	احمد آباد، نوساری، دھولیہ، واپی ودیگر اضلاع گجرات
۲۵	حافظ امین اصغر صاحب	8439165413	محصل شعبہ	علی گڑھ، آگرہ، فیروز آباد، سہارنپور، بلندشہر، سکندرآباد
۲۶	مولانا علیم الدین صاحب ندوی	8853258362	محصل شعبہ	کھنڈوہ، اطراف رتنا گیری، ستارا، پونہ، کولہاپور، سورت
۲۷	مولانا محمد مسلم صاحب مظاہری	8960513186	محصل شعبہ	اورنگ آباد، جالنہ، پونہ، احمد نگر، بنارس، مظفرنگر، میرٹھ، بجنور، نجیب آباد
۲۸	مولانا عبدالرحیم صاحب ندوی	7388509803	محصل شعبہ	ناگپور، بارہ بنکی، جھانسی، جونپور، اعظم گڈھ، مئو واطراف
۲۹	مولانا عبدالماجد خاں صاحب ندوی	9918128885	محصل شعبہ	دہلی، پانی پت، پنجاب، آکولہ، جلگاؤں، بلڈانہ
۳۰	مولانا محمد شعیب صاحب ندوی	6394260480	محصل شعبہ	حیدرآباد، بھدوہی
۳۱	مولانا ابوالحیات صاحب ندوی	9795891123	استاذ مکتب شہر	پٹنہ واطراف
۳۲	مولانا محمد عقیل صاحب ندوی	9389868121	استاذ مکتب شہر	سیوان، چمپارن، دربھنگہ، سمستی پور، مظفرپور، بھاگلپور، پٹنہ وغیرہ
۳۳	مولانا اسرار الحق صاحب ندوی	9919203409	استاذ مکتب شہر	لکھنؤ (شہر)
۳۴	مولانا بشیر الدین صاحب	9889438910	استاذ مکتب شہر	لکھنؤ (شہر)
۳۵	حافظ مبین احمد صاحب	9839588696	استاذ مکتب شہر	لکھنؤ (شہر)

ACCOUNTS NO. NADWATUL ULAMA

ZAKAT	:	10863759766
ATIA	:	10863759711
BUILDING	:	10863759733
IFSC CODE	:	SBIN0000125
PHONE	:	0522-2741231

STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا۔

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

Date 10th February 2026

تاریخ ۱۰؍فروری ۲۰۲۶ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کران تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اوران کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد عمار حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91-8736833376
پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا